جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد ۲۳ نمبر

صفر/ربیع الاول ۱۴۳۹ھ/نومبر ۲۰۱۷ء

شمارہ نمبر ۸

زر تعاون

فی شمارہ ——— ۱۵/روپے

سالانہ زرتعاون ——— ۱۵۰روپے

بیرون ملک سالانہ ——— ۲۵ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM URDU MONTHLY MAGAZINE
SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA
Ph: 0132-2655542
Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

اداریہ	چاہتے سب ہیں	عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی	۳
درس قرآن	ولیمہ: حقیقت اور.......(۴)	مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری	۷
انوار حدیث	اللہ تعالی دل دیکھتے ہیں	حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ	۱۳
مقالات و مضامین	لاکھیں سے ڈھونڈ کر	مولانا محمد سلمان بجنوری	۱۷
	حلالہ کیا ہے؟	مفتی امانت علی قاسمی	۲۴
	دینی مدارس کے...	مولانا محمد معاویہ سعدی	۲۸
	تاج محل۔تاریخ سے کھلواڑ	انتخاب :عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی	۳۳
	محدث کبیر مولانا محمد یونس جونپوریؒ	مولانا نور عالم خلیل امینی	۳۷
	تعارف وتبصرہ	مولانا قاری صلاح الدین	۴۶

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔۱۰/تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

اسلام کے ابتدائی دور میں مکہ مکرمہ کے ملکی وسیاسی احوال اور ہندوستان کے موجودہ ماحول میں بڑی حدتک یکسانیت اور مماثلت پائی جاتی ہے، مسلمان اُس وقت وہاں بھی اقلیت میں تھے ، کوئی سیاسی استحکام نہیں تھا، اُس زمانے میں ملک کی رائے عامہ مسلمانوں کے حق میں نہیں تھی اور آج ہندوستان کا حال بھی اس سے الگ نہیں ہے، اُس وقت بھی پوری ملکی وسیاسی طاقت مسلمانوں کی دشمن تھی اور آج بھی اس ملک میں یہی صورت حال ہے، مسلمانوں کو مذہبی راہ ورسم کی ادائیگی میں بڑی دشواریاں تھیں، آج بھی ملک میں بہت ساری جگہوں پر دقتوں کا سامنا ہے ، ایک گروہ اور ایک جماعت مستقل طور سے مسلمانوں کے درپئے آزار تھی ، اِس ملک میں بھی اب ایسی تنظیم اور جماعت برسرِ اقتدار ہے جو مسلمانوں کے لئے برابر مسئلہ بنی ہوئی ہے، اُس دور میں بھی مسلمانوں کو صرف اور صرف اِس پاداش میں مشق ستم بنایا جارہا تھا کہ وہ مسلمان ہیں اور اسلام کو دل وجان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں، آج بھی حالات اس سے دگرگوں نہیں ہیں۔

اُس وقت بھی اکثریتی طبقے کی ایک جماعت بےقصور مسلمانوں کی ایذارسانی اور جان لینے کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھ رہی تھی اور آج ہندوستان میں بھی اکثریتی طبقے کی ایک جماعت بے قصور مسلمانوں کو جان سے ماردینا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتی ہے، ملکی ومعاشرتی سطح پر اُس دور میں بھی مسلمانوں کو ذہنی اور جسمانی دقتوں کا سامنا تھا اسی طرح آج ہندوستان میں بھی مسلمانوں کو ذہنی وتحریری، اور جانی ومالی پریشانیوں کا سامنا کرپڑ رہا ہے، جس طرح مکے میں مسلمانوں کو نیست ونابود کردینے کے لیے میٹنگیں کی جاتی تھیں اور اُن کے خلاف سازشیں رچی جاتی تھیں اسی طرح

آج اِس ملک میں بھی مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی پلاننگ کی جاتی ، اور اُن کے خلاف سازشیں کی جاتی ہیں۔

اِس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف رچی جانے والی ہر سازش کے پیچھے یہ نظریہ پایا جاتا ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کا ہے، باقی دوسروں کو ہندوستان میں رہنا ہے تو ہندو بن کر ہی رہنا ہوگا یا کم از کم ہندو تہذیب اپنانی ہوگی، جہاں اونچ نیچ کا فرق قائم ہوگا، ہندو تہذیب کا غلبہ ہوگا، اعلی ذات کے لوگ تعلیم میں آگے ہوں گے، دلت اور مسلمان مزید پسماندہ ہوں گے، مسلمان اپنا تشخص کھو کر ہمیشہ خوف اور سراسیمگی کے عالم میں جی رہے ہوں گے، اور وہ ہر طرح سے اپنی تہذیب اور اپنا اقتدار پورے ملک پر مسلط کرکے یہاں کی منفرد تاریخ کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور از سرِ نو مزعومہ تاریخ مرتب کرنا چاہتے ہیں، اس کے لیے وہ ہر طرح کی بازی گری اور سیاسی کھیل کھیل رہے ہیں، آج پورے ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے پس منظر میں یہی منفی ذہنیت ہر طرح سے مکمل طور پر کارفرما ہے۔

ملک کے موجودہ حالات مسلمانوں کے حق میں ناگفتہ بہ ہوتے جارہے ہیں، ایک طرح سے مسلمانوں کو عدم تحفظ کا احساس ہوتا جارہا ہے، مسلمانوں کے مدارس و مکاتب کو مختلف قانونی اور عدالتی پیچیدگیوں میں الجھایا جارہا ہے۔

یہ سب کچھ سچ اور حقیقت ہے اور یہ سب سراسر مسلم دشمنی ہی کی بنیاد پر ہے، ذرا سوچنے کی بات ہے کہ ہم مسلمانانِ ہند نے ان سب ناروا اور غیر آئینی حرکتوں کو ختم کرنے کے لئے کیا اقدامات کئے ہیں یا کیا لائحۂ عمل تیار کر رکھا ہے؟۔

ملک کے موجودہ حالات (جس کا موازنہ اسلام کے عہدِ اول سے کیا گیا) میں وہی تدابیر اپنانی ہونگی جو اُس دور میں رسولِ رحمت و رأفت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنائی تھیں کہ صرف اور صرف قرآن وسنت سے اپنا رشتہ مضبوط و مستحکم کریں، صبر وضبط اور تحمل و بردباری سے کام

لیں،إن تصبروا وتتقوا لا یضر کم شیئاً،(اگرتم صبر واستقامت سے کام لو،اورتقوی اختیار کرو تو دشمن کی تدبیریں تمھیں نقصان نہ پہونچا سکیں گی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں اپنائی گئی حکمت عملی کی روشنی میں مسلمانوں کواپنی منزل تلاش کرنی ہوگی،یعنی تمام مسلمان ہر سطح پرخواہ وہ خاندانی سطح ہو،سماجی سطح ہو،سیاسی سطح ہو، یا ملکی سطح ہو،ایک امیرورہنما کے ماتحت ہوں،اپنے ایمان،تقوی،استقامت اورحسن اخلاق سے ایک پُرامن معاشرے کی تعمیر وتشکیل کے لیے ہمیشہ کوشاں رہیں،اورانتقامی عمل سے بالخصوص دوری اختیار کریں۔

مسلمانوں کی اصل روح قرآن پاک ہے، اقوام عالم کی مجال نہیں کہ اس روح کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کو دبا سکیں، کیونکہ ’’الحق یعلو ولایعلی‘‘ حق غالب ہی ہوتا ہے مغلوب کبھی نہیں ہوتا‘‘ کا اصول طے ہے،لیکن جب ہمارا اعتقادی اور عملی رشتہ ہی ’’حق‘‘ سے ٹوٹ جائے تو ’’حق‘‘ کو ملنے والی سربلندی کے ہم کیوں کرمستحق ٹھہریں گے۔

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اپنے عمل وکردار کی پوری قوت کے ساتھ زندگی گذاریں،دنیا کی کوئی طاقت دبانا تو درکنارآنکھ اٹھا کر دیکھنے میں بھی خوف محسوس کرے گی اور یہ قوت اور یہ طاقت صرف اورصرف اسلامی تعلیمات کوعمل میں لاکر ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

مسلمانوں کی معاشی،سماجی،تعلیمی اور سیاسی زبوں حالی کی بنیادی اور اصل وجہ مسلمانوں کا اپنے مرکز،اپنی اساس اوراپنی بنیاد: دین سے دوری،قرآن وسنت،اسلامی تعلیمات،اسلامی شعائراور دینی اقدار سے دوری ہے،اوریہی وہ بنیادی سبب ہےجس کی بنیاد پرآج امت مسلمہ بے شمار مسائل اوران گنت چیلنجز سے دوچار ہے،اسے مرکز سے دوری اوردین فراموشی نے کہیں کا نہیں رکھا،خلافتِ ارضی کے منصبِ بلند پر فائز ہونے کے باوجود مسلمان انتہائی کمزور، بے بس اور بے انتہا مسائل میں الجھے ہوئے ہیں،ان کا سبب صرف اورصرف ایک ہے، وہ یہ کہ وہ دین فراموشی اورخودفراموشی کی راہ پرگامزن ہیں،انھوں نے اپنے بنیادی تشخص اوراپنی حیثیت کو فراموش کردیا ہے۔

اسلام کے اولین دور میں جس طرح حضراتِ صحابہ کرام نے قرآن اور دینی احکام کو اپنا سب کچھ بنالیا تھا، گفتار کے غازی ہونے کے ساتھ ساتھ کردار وعمل کے بھی دھنی تھے، ہر شعبۂ حیات میں ان کے پیش نظر اسلام اوراس کی منشاء رہا کرتی تھی، اسی لئے اتحاد واتفاق کی بہاروں سے پورے ماحول کی فضا معطر تھی، انسانیت کو ترقی اور معاشرہ کو عروج مل رہا تھا، آج بھی اگر ہم اخلاص کے ساتھ دین پر عمل کرنے والے بن جائیں تو ہزار ہا اختلافات کے باوجود ہم متحد ہوں گے۔

کیسا عجیب المیہ ہے کہ دشمن تو ہمیں مسلمان کہتے ہیں، ہمیں ایک مانتے ہیں خواہ ہم کسی مسلک ومکتبہ فکر کے ہوں، لیکن ہم ہی اپنی علیحدہ شناخت چاہتے ہیں، ہم نے غور وفکر کرنا چھوڑ دیا، دین کو ہم نے محض ظاہری رسوم و قیود تک محدود کردیا، دین کے تئیں ہمارا جذبۂ عشق سرد پڑ گیا، آئیے اس بات کا عہد کریں کہ دین کی حقیقی روح تک پہنچے کی کوشش کی جائے، محبت و خلوص کے بغیر نہ تو اتحاد واتفاق پیدا ہوسکتا ہے اور نہ ہی اللہ کی نصرت وحمایت حاصل ہوسکتی ہے، خدائی فرمان ''وأنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين''، کہ سربلندیاں اورعزت وافتخار اسلام اور اس کے احکام کی مکمل پاسداری ہی میں ہے''۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں ملک دشمن عناصر کا جواب دینے کے لئے مسلمانوں میں تعلیمی بیداری اور دینی شعور کا پیدا ہونا بھی انتہائی اہم اور ضروری ہے، اس لئے کہ تعلیم ایک خاموش انقلاب لاتی ہے، مسلم طلبہ وطالبات کو نہ صرف صحیح خطوط پر تعلیم دی جائے بلکہ ان کی تربیت بھی کی جائے، یعنی تعمیر سیرت اور کردار سازی اس کا لازمی حصہ اور نتیجہ ہو، اس سے خود اپنی زندگی میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے والے ہوں گے اور اپنے عمل و کردار سے دوسروں کے لئے راہ عمل متعین کریں گے اس طرح سے مسلمانوں کے بہت سے الجھے مسائل ازخود سلجھتے چلے جائیں گے اور دشمنان اسلام اپنی سازشوں اور منصوبہ بندیوں میں ان شاء اللہ ناکام ہونگے۔

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

درسِ قرآن چوتھی قسط

ولیمہ: حقیقت اور خرافات

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری استاذ حدیث وتفسیر مظاہر علوم سہارنپور

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ (الاحزاب، ۵۳)

مسلمانو! جب تک تمہیں اجازت نہ دیجائے تم نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو، کھانے کے لئے بھی اجازت کے بعد جاؤ، یہ نہیں کہ پہلے سے جا کر بیٹھ گئے اور کھانا پکنے کا انتظار کرنے لگے بلکہ جب بلایا جائے تو جاؤ اور جب کھالو تو رخصت ہو جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو! نبی کو تمہاری یہ حرکت ناگوار گذرتی ہے لیکن وہ لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالی بیانِ حق میں کسی کا لحاظ نہیں کرتے۔(ابن کثیر اردو، ۴/۱۳۸/ ۲۱)

شان نزول: جب حضرت زینب بنت جحش ؓ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا تو آپ نے ولیمہ کیا، بعض لوگ کھانا کھا کر وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھنے کا ارادہ کیا تاکہ آپ کو اٹھتا دیکھ کر وہ بھی اٹھ جائیں، آپ کے ساتھ کچھ لوگ تو اٹھ کر چل دیئے مگر تین شخص اشارہ نہیں سمجھ سکے اور وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہ گئے۔

(وَإِذَا هُوَ كَأَنَّهُ يَهَيَّأُ لِلْقِيَامِ فَلَمْ يَقُومُوا، فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ قَامَ، فَلَمَّا قَامَ، قَامَ مَنْ قَامَ، وَقَعَدَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ، (صحیح البخاری رقم ۴۷۹۱ کتاب تفسیر القرآن)

تشریح وتوضیح: آیت شریفہ میں دعوتِ طعام سے متعلق تین احکام کا بیان ہے۔

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بغیر دعوت کے مت جاؤ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ خاص سبب نزول کی وجہ سے ہے ورنہ یہی حکم تمام مسلمانوں کے لئے بھی ہے۔

(۲) آنے کی اجازت اور دعوت ہو تب بھی بہت پہلے سے آ کر کھانا پکنے کے انتظار میں نہ بیٹھ جاؤ، بلکہ دعوت کا جو وقت بتایا جائے اس وقت آؤ۔

(۳) کھانے سے فارغ ہو کر رخصت ہو جاؤ، وہاں باتیں کرنے کے لئے جم کر نہ بیٹھو، یہ تکلیف وایذا کا سبب بن جاتا ہے۔

آیت شریفہ کا نزول کیونکہ دعوت ولیمہ کے سلسلہ میں ہوا ہے اس لئے دعوت اور ولیمہ سے متعلق چند باتیں تحریر کی جاتی ہیں۔

اکرامِ ضیف

کھڑے کھڑے کھانا کھلانا آدابِ ضیافت اور اکرام ضیف کے بھی خلاف ہے کیونکہ میزبان کی نظر میں مدعومہمان سب برابر ہونے چاہئیں، کم از کم کھانا کھلانے کی حد تک تو مساوات اور برابری ضرور ہی ہونی چاہئے اور اسٹینڈنگ کھانے میں یہ برابری مفقود ہے کیونکہ جس مہمان کی کسی ویٹر سے شناسائی ہے اس کو ہر نوع کا کھانا دستیاب ہوتا ہے اور جس کی کوئی واقفیت نہیں اس کو کچھ مل جاتا ہے، کچھ نہیں، جبکہ وہ دوسرے مہمانوں کو عمدہ سے عمدہ کھانا کھاتے ہوئے دیکھ رہا ہے بالخصوص وہ لذیذ ومرغوب کھانے جہاں مہمانوں کا بڑا اژدحام ہوتا ہے، ایسے مہمان پیلس سے کبیدہ خاطر آتے ہیں اور اسے اپنی توہین گردانتے ہیں، گئے تھے موافقت وموانست کے لئے اورلوٹے مخالفت وآزردگیٔ قلب کے ساتھ، فیاللعجب!

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو اللہ وآخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہوا سے چاہئے کہ مہمان کی عزت کرے، **من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ** (بخاری رقم ۶۰۱۸) اور عزت میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کو کس مپرسی کی شکایت نہ ہونے دیں۔

حضرت مالک بن عوف فرماتے ہیں کہ: میزبان کا کمال یہ ہے کہ آفتاب کی طرح ہر ایک پر روشنی ڈالے، بارش کی طرح ہر جگہ برسے، اگر مہمان بزرگ ومحترم شخصیت ہے تو اس کی بزرگی کا حق بجالائے، اگر چھوٹا ہے تو احسان وکرم کا اظہار کرے۔

کھانے کا ضیاع

اگر کھانا بٹھا کر کھلایا جائے خواہ کرسی میز پر ہی کیوں نہ ہو اور کھانا طشت و سلپچی میں پیش کیا جائے تو ہر مہمان اپنی بھوک اور اشتہا کے مطابق ہی کھانا اپنی پلیٹ میں نکالتا ہے، بایں صورت کھانے میں برکت ہوتی ہے، اور تھوڑا کھانا بھی بہت سے مہمانوں کو کافی ہوجاتا ہے، اور اگر کھانا اسٹینڈنگ کی صورت میں ہو، تو نہ لیا ہوا کھانا واپس کیا جاتا ہے اور نہ واپس لیا جاتا ہے، بلکہ دیکھنے میں یہ آیا کہ لوگ پوری پلیٹ میں سے دودو چار چار لقمے کھا کر کھانا پھینک دیتے ہیں اس طرح کھانا بہت بڑی مقدار میں ضائع ہوجاتا ہے اور اللہ کی نعمتوں کی کھلے عام ناقدری ہوتی ہے، یہ خوف کا مقام ہے کیونکہ ناقدری کرنے پر کبھی کبھی آدمی کو ان نعمتوں سے محروم بھی کردیا جاتا ہے۔

نیز کھانا برباد کرنا غضبِ الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: جو ہم نے حلال و پاک رزق تم کو دیا ہے اس کو کھاؤ، مگر اس میں زیادتی نہ کرو کہ تم پر میرا غضب نازل ہو"كلوا من طيبات ما رزقناكم ولا تطغوا فيه فيحل عليكم غضبي (طه. ۸۰)

یہ خیال غلط ہے کہ ہمارا مال ہے، ہم جس طرح چاہیں استعمال کریں، خرچ کریں، کیونکہ مال اللہ تعالیٰ کی نعمت وعطیہ ہے، اس کے بارے میں ایک سوال یہ بھی ہوگا کہ کہاں خرچ کیا؟

آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی، بہت سے انسانوں کو زندہ رہنے اور کمر سیدھی رکھنے کے لئے کھانے کے چند لقمے بھی میسر نہیں ہیں۔

"روٹی کھانے کو پیسے نہیں، بھوکے ہی رہنا ہوتا ہے یا مانگ کر پیٹ بھرنا ہوتا ہے پیٹ بھر کر روٹی تب کھائی جب ڈی، ایم شاملی نے دینک جاگرن (ہندی روزنامہ) میں خبر چھپنے کے بعد کھلائی"

مذکورہ بالا الفاظ نہ کوئی انشائیہ ہے نہ کوئی افسانہ، بلکہ ستم رسیدہ مجبور و بے بس، ضلع باغپت صوبہ یوپی کی رہنے والی، ملتِ اسلامیہ کی ایک بارہ سالہ بیٹی "امینہ سلیم" کی درد بھری سرگذشت

ہے جو ۲ر ۳را کتوبر ۲۰۱۷ء کے دہلی واطراف سے شائع ہونے والے ہندی، اردو، روزناموں میں باتصویر شائع ہوئی ہے، امینہ سلیم نے ڈی، ایم ضلع باغپت کو جوروداد سنائی اس کا خلاصہ یہ ہے ''دو ماہ قبل ایک نامعلوم سادھو، اس کی بہن خیر النساء کو اغوا کر کے ہریدوار (اترا کھنڈ) لے گیا تھا ،خیر النساء کے اغوا کی خبر سن کر امینہ سلیم کے نابینا والد سلیم احمد اور ماں بے چین ہو گئے ——— ماں باپ کی تڑپ دیکھ کر امینہ سے رہا نہ گیا، وہ اپنا گھوڑا بگھی لے کر والدین کو سوار کر، بہن خیر النساء کو تلاش کرنے ہریدوار نکل گئی، ہریدوار پہونچ کر یہ خاندان ایک ماہ تک گلیوں، آشرموں، مٹھوں میں خیر النساء کو تلاش کرتا رہا اور بھیک مانگ کر پیٹ کی آگ بجھاتا رہا ،خیر النساء کا تو کوئی سراغ نہ لگا، البتہ اس درمیان ان کی بگھی کا وہ خچر چوری ہو گیا جس کے ذریعہ وہ ہریدوار پہونچے تھے، اس خاندان کے پاس کھانے پینے تک کے پیسے نہیں تو دوسرا خچر خریدنے کے لئے چالیس پچاس ہزار روپئے کہاں سے آئیں، اور اس کے بغیر گھر واپسی کیسے ہو؟ ان کی حالت اور پریشانی ''یک نہ شد دو شد'' کا مصداق ہوگئی۔

امینہ نے ہمتِ مردانہ سے کام لیا اور اپنے نابینا والد سلیم احمد اور والدہ اور چھوٹے بھائی کو بگھی پر سوار کر کے خچر کی جگہ خود جُت کر اپنے وطن شہر باغپت (یوپی) کے لئے چل پڑی، اثنائے راہ میں واقع شاملی شہر (ایک سو بارہ کلومیٹر) تک بگھی از خود کھینچ لائی، مقامی صحافی انُوج سینی اور پرتاپ راٹھور نے گھوڑے کی جگہ بارہ سالہ لڑکی کو بگھی کھینچتے دیکھا تو حیران رہ گئے اور اس منظر کو کیمرے میں قید کر سوشل میڈیا پر ڈال دیا جو آناً فاناً وائرل ہو گیا اور ڈی ایم شاملی کو علی الفور اس کی اطلاع ہوگئی اور انھوں نے اس قافلہ کو تلاش کرا کے ایک خچر مہیا کرایا، امینہ نے ڈی ایم کو بتایا کہ رہنے کے لئے ہمارے پاس مکان کے بجائے جھگی جھونپڑی ہے، والد نابینا ہیں، والدہ معذوری کی بناء پر کچھ کر نہیں سکتیں اس لئے بھیک مانگ کر ہی پیٹ بھرنا ہوتا ہے۔

عالیشان پیلس میں لذیذ، مرغوب و مرغن بڑی مقدار میں کھانا ضائع کرنے و کرانے والے ملت کے افراد کے لئے کیا اس میں درسِ عبرت نہیں، کیا ان کے لئے لمحۂ فکریہ

نہیں، کیا اللہ تعالی کے سامنے جواب دہی کا خوف بھی نہیں، جب اللہ تعالی بندے سے سوال کریں گے ''میں بھوکا تھا میں نے تجھ سے کھانا مانگا، تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، بندہ عرض کرے گا، اے رب! آپ تو دونوں جہاں کی مخلوق کو کھلانے والے ہیں ہیں، آپ کو کھلانے کی کیا ضرورت؟ جواب میں اللہ تعالی فرمائیں گے، کیا میرا فلاں بندہ بھولا نہیں تھا، جس نے تجھ سے کھانا مانگ مگر تو نے کھانا نہیں کھلایا، سن! اگر تو اس کو کھانا کھلا دیتا تو تجھ کو میری رضا و خوشنودی اور ثواب حاصل ہوتا''، نیز فرمائیں گے ''میں پیاسا تھا، میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا، مگر تم نے پانی نہیں دیا، بندہ عرض کرے گا، آپ تو سب کو پانی پلاتے ہیں، آپ کو پلانے کا کیا مطلب؟ جواب میں اللہ تعالی فرمائیں گے، کیا میرا فلاں بندہ پیاسا نہیں تھا، جس نے تجھ سے پانی مانگا تھا مگر تو نے پانی نہیں پلایا، سن! اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو تجھ کو میری رضا و خوشنودی اور ثواب حاصل ہوتا''،

يَابْنَ آدمَ اِسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي، قال يا ربِّ! کيفَ أُطْعِمُکَ وَ أنتَ رَبُّ العالَمِينَ، قال: أَمَا عَلِمْتَ أنّهُ اسْتَطْعَمَکَ عَبْدِي فلانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنّکَ لَو أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذٰلکَ عِنْدِی، يَابْنَ آدمَ إسْتَسْقَيْتُکَ فَلَمْ تَسْقِنِي قال يا ربِّ! کَيْفَ أَسْقِيْکَ و أنتَ رَبُّ العالَمِين، قالَ: اسْتَسْقَاکَ عَبْدِیْ فُلانٌ، فَلَمْ تَسْقِهِ، أَمَا إنّکَ لَو سَقَيْتَهُ وَجَدْتَ ذٰلکَ عِنْدِیْ۔ (صحیح مسلم، رقم ۲۵۶۹، باب البر والصلۃ)

پیغام

نیز فرمائیں گے قوام متحدہ کی تازہ رپورٹ کے مطابق ۲۰۱۶ میں، اکیاسی کروڑ ۵۰ لاکھ افراد کو مناسب غذا میسر نہیں ہوئی، ۱۵ کروڑ ۵۰ لاکھ بچے ایسے ہیں، غذا کی کمی کی وجہ سے جن کی جسمانی و ذھنی نشو و نما متأثر ہے، پوری عمر شاید ان کو صحت مند زندگی نصیب نہ ہو، اور تندرستی جیسی نعمت سے محروم ہی رہنا پڑے اور ان کا مستقبل اور خود زندگی ہی مخدوش ہے۔

قلت تغذیہ کے خطرہ سے سب سے زیادہ متأثر، نائجیریا، صومالیہ، جنوبی سوڈان، اور

یمن ہیں، خواتین بھی مناسب غذا نہ ملنے کی وجہ سے انیمایعنی خون کی کمی کا شکار ہیں۔(روزنامہ راشٹر یہ سہارا، دہلی ایڈیشن ۱۸ ستمبر ۲۰۱۷)

اور جن مما لک کے نام مذکور ہوئے ہیں وہ بھی مسلم مما لک ہیں۔

خون کے آنسو رلانے والی بات یہ ہے کہ اقوام متحدہ کی جانب سے مذکورہ رپورٹ کے ساتھ جو تصویر، فوٹو جاری کیا گیا ہے وہ امت مسلمہ کی ایک مسلم خاتون کا ہے، جو پرندہ کے بے بال و پر، چوزہ جیسے اپنے دو بچوں کو گود میں اٹھائے ہوئے ہے۔

میانمار سے بمشکل جان بچا کر بنگلہ دیش پہنچنے والے مصیبت زدہ افراد کیمپوں میں ایک ایک دانے اور لقمے کو ترس رہے ہیں ، ایک وقت کا کھانا حاصل کرنے کے لئے عورتوں، بچوں کی طویل قطاریں ہیں، کھانا نہ ملنے کی وجہ سے ماؤں کے پستان کا دودھ خشک ہو چکا ہے، معصوم بچے تڑپ تڑپ کر مر رہے ہیں۔

ایک طرف لٹے پٹے، ننگے بھوکے روہنگیائی مسلمانوں کے آہ و نالے، اور اقوام متحدہ کی یہ تازہ رپورٹ، دوسری طرف پیلس میں اسٹینڈ نگ کی شکل میں ضائع ہونے والا یہ لذیذ ومرغوب کھانا، اس تصور وخیال نے کیا کبھی آپ کو جھنجھوڑا ہے؟ کبھی آپ کو کچوکے لگائے ہیں؟ کبھی آپ نے اس کے عواقب پر غور کیا ہے؟

زمانہ تجھ کو اِس منزل پہ لے آیا تو کیا ہوگا؟

انوار حدیث

اللہ تعالیٰ دل دیکھتے ہیں

حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ان الله لا ينظر الى اجسادكم ولا الى صوركم ولكن ينظر الى قلوبكم (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نہ تو تمہارے جسموں کو دیکھتے ہیں اور نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو دیکھتے ہیں۔

حضرت سیدنا بلال حبشیؓ غلام تھے کالے کلوٹے، لیکن ان کو کیا مقام ملا، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ابو بکر سیدنا اعتق سیدنا (حضرت ابو بکرؓ ہمارے آقا ہیں انہوں نے ہمارے آقا (بلال) کو آزاد کیا ہے)

حضرت بلالؓ، امیہ بن خلف کے غلام تھے، اسلام لانے کی وجہ سے وہ ان پر بہت ظلم کرتا تھا تو حضرت ابوبکر نے حضرت بلال کو امیہ بن خلف سے خرید کر ان کو آزاد کر دیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگے رہتے تھے، اصحابِ صفہ میں تھے، اللہ کے یہاں ان کی حیثیت کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج سے تشریف لائے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ بلال! تمہارا وہ کون سا عمل ہے جو تمہارے نزدیک زیادہ امید والا ہو، کیوں کہ میں نے تمہارے قدموں کی آہٹ جنت میں اپنے آگے آگے سنی ہے، تو انہوں نے کہا، یا رسول اللہ! کوئی عمل نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں جب وضو کرتا ہوں تو دو رکعت نماز (نفل) پڑھ لیا کرتا ہوں یعنی تحیۃ الوضو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ مقام بیان فرمایا، یہ تھے کیا، شکل وصورت کے

اعتبار سے ایک حبشی غلام تھے اور اس کے مقابلہ میں کتنے خوبصورت، لحیم شحیم، سرخ وسفید جو عمل کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک مقبول نہ ہو ان کی کوئی حیثیت نہیں، ابولہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا، انتہائی سرخ وسفید انگاروں جیسے اس کے رخسار، اسی لئے ابولہب کہا جا تا تھا، لیکن اس کی مذمت میں قرآن کی سورت نازل ہوئی ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اس کے دل میں ایمان نہیں تھا اور یہی نہیں بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عداوت وکدورت بھری ہوئی تھی، توشکل وصورت نہیں دیکھنی چاہئے۔

آج بدقسمتی سے ہم لوگ ظاہر کو معیار بناتے ہیں اور اندر کی دولت کو نظر انداز کردیتے ہیں، آدمی کے اندر اگر تقوی ہے، دینداری ہے، چاہے وہ غریب ہو، مفلس ہو، پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہو، شکل وصورت کیسی ہی ہو، اللہ کے یہاں اگر وہ مقبول ہے تو بہت قیمتی ہے، دوسرا آدمی ظاہر کے اعتبار سے کتنا ہی سجا سنورا ہو، لیکن اگر عمل اور اخلاص سے وہ خالی ہے تو اللہ کے یہاں اس کی کوئی قدر وقیمت نہیں۔

ایک روایت حضرت ابوموسی اشعری رضی کی ہے، فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا ایک شخص قتال کرتا ہے بہادری کی بنا پر، ایک شخص قتال کرتا ہے حمیت کی بنا پر (میرے بھائی کو مارا ہے لہذا میں ماروں گا، میری قوم کے ساتھ لڑائی ہے، میرے خاندان کے ساتھ لڑائی ہے لہذا میں لڑوں گا) اور ایک شخص قتال کرتا ہے دکھانے کیلئے کہ لوگ مجھ کو بہادر کہیں اور اگر جہاد ہے تو بڑا مجاہد کہیں گے، ان میں سے کون سا قتال اللہ کے راستے کا مانا جائیگا، بہادری کی بنا پر، حمیت کی بنا پر، دکھانے کیلئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله** (جو آدمی قتال کرے صرف اس لئے کہ اللہ کا دین بلند ہو وہ اللہ کے راستے میں ہے) باقی بہادری کے اظہار کیلئے، شہرت کیلئے یا حمیت کی بنا پر جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے۔

ریا کسے کہتے ہیں

ریا کاری کیا چیز ہے؟ کبھی کبھی آدمی کو شیطان بہکا تا ہے یعنی نیک عمل سے روک دیتا ہے یہ دل میں خیال لا کر کہ اگر لوگ عمل کرتے ہوئے دیکھ لیں گے تو ریا کاری ہو جائے گی، قرآن پاک کی تلاوت کرنے بیٹھیں گے، ریا کاری ہوجائے گی، صدقہ خیرات کریں گے، ریا کاری ہوجائے گی، حضرت شیخ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا: غالبا کہیں تحریر میں بھی ہے کہ مخلوق کو سامنے رکھ کر کوئی عمل کیا جائے، یہ ریا ہے، اب ہم کو تلاوت کرنی ہے، لیکن اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ مسجد کے سارے لوگ نکل جائیں تب ہم تلاوت کریں گے، نفل پڑھنی ہے، لیکن اس انتظار میں ہیں کہ کوئی دیکھنے نہ پائے، جب سارے لوگ نکل جائیں گے تب ہم نفل کی نیت باندھیں گے، کوئی دیکھے گا تو ریا ہوجائے گی، یہ چھپانے کا اہتمام کرنا بھی ریا ہے، ریا کے معنی مخلوق کو دکھانا، ہماری نگاہ مخلوق پر نہیں ہونی چاہئے نہ دکھانے کا اہتمام ہو نہ چھپانے کا اہتمام ہو ہم تو اللہ کے واسطے عمل کر رہے ہیں، اسلئے ریا کے وسوسے اور ریا کے خدشہ کی بنا پر بسا اوقات آدمی نیک عمل کو ترک کر دیتا ہے، تسبیح لیکر اس لئے نہیں پڑھتے کہ لوگ ریا کار کہیں گے، ہم اپنی نیت درست رکھیں

حضرت مولا مفتی عبد الرزاق صاحب بھوپالی دامت برکاتہم ایک مرتبہ بنارس تشریف لائے ہوئے تھے ان کی عادت ہے جہاں بیٹھتے ہیں تسبیح لئے ہوئے پڑھتے رہتے ہیں، ان سے کسی طرح گفتگو میں یہ بات آ گئی، حضرت یہ ریا کاری نہیں ہے؟ تو انہوں نے ڈانٹ کر کہا کہ گالی بکنے والا کھلم کھلا گالی بک رہا ہے، اس کو اس کی پرواہ نہیں ہے کوئی سن رہا ہے، شراب پینے والا شراب پی کر گلی میں ٹہل رہا ہے اس کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ کوئی دیکھتا ہے کہ نہیں دیکھتا ہے، وہ تو کھلم کھلا معصیت کرتا ہے، ہم اگر کوئی نیک عمل کر رہے ہیں اللہ کو راضی کرنے کے لئے اور کوئی اس کو دیکھ رہا ہے تو ہم اس کو چھپانے کا اہتمام کریں؟ ہوسکتا ہے کسی

کواس کو دیکھ کر توفیق مل جائے ہماری نیت صحیح ہونی چاہئے، اگر کسی نے دیکھ لیا تو اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہے، لہذا عمل کے وقت نہ دکھانے کا اہتمام ہو نہ چھپانے کا۔

حضرت ابوہریرہ کی غالباً روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ یارسول اللہ! بسااوقات ہم کوئی نیک عمل کرتے ہیں اللہ کو راضی کر نے کیلئے اخلاص کے ساتھ، لیکن لوگ اس کو دیکھ کر تعریف کر دیتے ہیں، اس کی بنا پر ہم سے محبت کرتے ہیں یا اس کو پسند کرتے ہیں، تو کیا یہ بھی ریا میں شامل ہو جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین جواب دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **تلک عاجل بشری المومن** (یہ مومن کی نقد بشارت ہے)۔ یعنی اس کا حقیقی اجر تو اللہ تعالی کے یہاں جا کر ملے گا، لیکن اللہ تعالی نے اس کا ایک انعام دنیا میں بھی عطا فرما دیا کہ نیک لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا فرما دی۔

نیت اپنی درست ہو ہم اس نیت سے کوئی عمل نہ کریں کہ لوگ دیکھ کر ہماری تعریف کریں گے، ہم سے خوش ہو جائیں گے، ہم سے محبت کریں گے، ہم اللہ تعالی کیلئے کریں، لیکن اس کو چھپانے کا اہتمام کہ کوئی دیکھنے نہ پائے، کسی کو خبر نہ ہونے پائے، یہ ضروری نہیں ہے، ہم اللہ کیلئے عمل کریں، تلاوت کر رہے ہیں، ذکر کر رہے ہیں، تسبیح پڑھ رہے ہیں، کسی نے دیکھ لیا، یا نہیں دیکھا، ہمارے اوپر اس کا کوئی اثر نہیں ہونا چاہئے، اور اس کی پہچان یہ ہے کہ ہمارا عمل جلوت خلوت میں یکساں ہو، جس طرح ہم لوگوں کے سامنے سجا سنوار کر نماز پڑھتے ہیں، تعدیل ارکان کے ساتھ رکوع سجدہ کرتے ہیں، اطمینان سے نماز پڑھتے ہیں، جب تنہائی میں نماز پڑھ رہے ہوں تو بھی اتنی اطمینان والی نماز ہو اور اگر لوگوں کے سامنے بڑے اطمینان سے نماز پڑھیں اور تنہائی میں کھٹا کھٹ تو لاکھ ہم اخلاص کا دعوی کریں لیکن یہ صرف دکھاوے کیلئے ہو گی، اللہ تعالی ہم سب کو اخلاص اور حسن نیت کی دولت سے نوازے۔

لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

مولانا محمد سلمان بجنوری
مدیر ماہنامہ ''دارالعلوم دیوبند''

اس وقت دنیا میں جس قدر تعلیمی نظام رائج ہیں، ان کو مقاصد کے اعتبار سے بنیادی طور پر دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک تو وہ جن کا مقصد انسان کی معاشی ضروریات کی تکمیل اور اس کی دنیوی زندگی کو آسان اور بہتر بنانا اور اس مقصد کے لیے ضروری صلاحیت انسان میں پیدا کرنا ہے، اس نظام کے تحت دنیا کے ہر خطے اور ہر ملک میں اپنے اپنے انداز میں سرکاری اور غیر سرکاری ادارے چل رہے ہیں، اس وقت ایسے اداروں پر گفتگو ہمارا موضوع نہیں ہے۔

دوسرا نظام وہ ہے جس کا اصل مقصد انسان کی آخرت سنوارنا ہے، ظاہر ہے اس نظام کا تعلق صرف اسی امت سے ہوسکتا ہے جو اللہ کے آخری دین پر ایمان رکھتی ہے اور اس مقصد تک پہنچانے والا اس کا دینی تعلیمی مذہبی نظام ہوسکتا ہے، پھر اس مقصد کے لیے بھی دنیا کے اکثر ملکوں میں جہاں مسلمان رہتے ہیں خواہ ان کی حکومت ہو یا نہ ہو مختلف نظام تعلیم رائج ہیں؛ لیکن اگر ایک انتظامی ڈھانچہ سے مربوط ہونے کی شرط نہ لگائی جائے تو دنیا کے تمام دینی تعلیمی نظاموں میں، اپنے دائرۂ فیض کی وسعت اور اثرات کی ہمہ گیری کے اعتبار سے سب سے بڑا اور وسیع نظام، دینی مدارس کا موجودہ نظام ہے، جو مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد ہندوستان میں شروع ہوا جس کا نقطہ آغاز اور مرکزی ادارہ دارالعلوم دیوبند ہے پھر مظاہر علوم سہارنپور، مدرسہ شاہی مرادآباد اور بعد میں (اپنے نصاب میں اختلاف کے باوجود، فکر وعقیدہ اور نظام میں یکسانیت کی بنا پر) دارالعلوم ندوۃ العلماء، نیز برصغیر کے دیگر ملکوں کے مرکزی ادارے اس کے اہم ستون ہیں۔

اس نظام کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یورپ ہو یا امریکہ یا

افریقہ، ہر براعظم کے اُن تمام ممالک میں جہاں مسلمان آباد ہیں، اس نظام کے مدارس، مصروفِ خدمت ہیں جو دارالعلوم دیوبند، یا دیگر مرکزی اداروں کے بلاواسطہ یا بالواسطہ فرزندوں نے قائم کیے ہیں، ایسے ادارے ان ممالک کے ہر اس شہر میں موجود ہیں، جہاں کسی بھی درجہ میں مسلمانوں کی قابلِ ذکر آبادی ہے، پھر ایشیا اور اس کا یہ خطہ جسے غیر منقسم ہندوستان یا برصغیر کہا جاتا ہے، یہاں سے تو اس سلسلہ کا آغاز ہی ہوا ہے؛ اس لیے اس خطے کے تینوں ملکوں میں مدارس کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ان مدارس نے ماضی میں ایسے افراد تیار کیے ہیں جن میں سے ایک ایک فرد ایک امت کی حیثیت رکھتا ہے، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حکیم الامت حضرت تھانوی، علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام حضرت مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، حضرت مولانا عبید اللہ سندھی، علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی، حضرت مولانا فخر الدین احمد مرادآبادی، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی، حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہم اللہ اور ان جیسے سیکڑوں اعیان واکابر جن میں سے ہر ایک کو دنیا کے کسی بڑے سے بڑے ادارے کے افراد کے مقابلہ میں پیش کیا جاسکتا ہے؛ بلکہ ان اکابر میں بعض نام تو ایسے ہیں کہ انھیں امت کے سابقہ بزرگوں کا نمونہ کہا جاسکتا ہے۔

ان دونوں باتوں کے ساتھ اس بات سے انکار بھی تعصب یا نادانی کا مصداق ہوگا کہ آج بھی امت کو مدارس کے اس نظام کی شدید ضرورت ہے اور اس کی نئی نسلوں کے دین وایمان کا تحفظ انہی مدارس سے وابستہ ہے؛ بلکہ مجموعی اعتبار سے مسلمانوں کی اکثر دینی ضروریات کی تکمیل انہی سے ہوتی ہے، خواہ وہ تعلیمی ودینی ضروریات ہوں یا دیگر میدانوں میں درست رہنمائی کا معاملہ ہو، یہی مدارس آج امت کے معتبر علمی ورثہ اور متوارث ومتوازن فکر

وعقیدہ کی حفاظت وآبیاری کا فریضہ انجام دے رہے ہیں؛ بلکہ بعض حقائق کو سامنے رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آج امت کو ان مدارس کی ضرورت پہلے سے بھی زیادہ ہے۔

ہے ابھی محفل ہستی کو ضرورت تیری

اس کا تقاضا ہے کہ یہ مدارس ماضی سے کہیں زیادہ احساسِ ذمہ داری اور دیانت وامانت کے ساتھ اپنا کردار ادا کرنے کی فکر کریں اور صداقت، عدالت اور شجاعت کا جو سبق ان کو اپنے اسلاف سے ورثہ میں ملا ہے، اسے پھر پڑھنے اور یاد کرنے کے لیے کمر بستہ ہوجائیں کہ اس کے بغیر دنیا کی امامت کا کام نہیں لیا جاتا۔

لیکن اس وقت جو حقیقی صورت حال ہے، وہ یہ ہے کہ مدارس اپنے اس کردار پر باقی تو کیا رہتے اس کردار کو زندہ کرنے کی فکر ہی رخصت ہوتی جارہی ہے اور مدارس چلانے والے طبقہ کی ایک بڑی تعداد شاید مدارس کے مقاصدِ تاسیس کا پورا شعور وادراک بھی نہیں رکھتی یا اس سلسلے میں فکرمندی سے محروم ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ معیارِ تعلیم گھٹ رہا ہے، اچھے افراد تیار ہونا مشکل ہورہا ہے، علمی سرگرمیاں سست روی کا شکار ہیں اور فرزندان مدارس میں فکر معاد کے بجائے کوئی اور ہی فکر پیدا ہوتی جارہی ہے؛ لیکن ان میں بھی علم وہنر اور اخلاص وعمل کی گرم بازاری پہلے جیسی نہیں نظر نہیں آرہی ہے اور اکثریت کا حال تو بلاشبہ تشویشناک ہے۔

اسی کے ساتھ ایک اور پہلو ہے، جسے نظر انداز کرنا بڑی نادانی کی بات ہوگی اور وہ یہ کہ اپنوں اور غیروں کا ایک طبقہ ان مدارس اور ان کی افادیت کا منکر؛ بلکہ ان کے وجود کا مخالف ہے، اپنوں میں پھر بھی نرم گرم دونوں طرح کے لوگ ہیں، جدت پسند طبقہ مدارس کی قدامت پسندی سے چڑتا ہے؛ مگر ان کے وجود کو سرے سے خارج نہیں کرتا؛ لیکن مذہب بیزار طبقہ ان کے وجود ہی کو پسند نہیں کرتا، اس کے باوجود کلمہ گو ہونے کی حیثیت سے ان طبقات کی جانب سے مدارس کے وجود کے لیے ایسا بڑا خطرہ سامنے نہیں ہے، اگرچہ مدارس کے اپنے منہاج پر قائم رہنے میں پھر بھی دشواریاں کھڑی ہوتی ہیں؛ لیکن غیروں کی جانب سے تو مدارس کے خلاف منظم

اور منصوبہ بند مخالفت جاری ہے، عالمی طاقتیں، دینی تعلیم کے نظام کو ہی دنیا سے اکھاڑ پھینکنا چاہتی ہیں یا اس کا حلیہ اس قدر تبدیل کر دینا چاہتی ہیں کہ وہ مسخ ہو کر رہ جائے، ان طاقتوں کی جانب سے یہ مخالفت کوئی تصوراتی یا موہوم چیز نہیں ہے؛ بلکہ واقعات وحقائق اس خطرے کی تصدیق کرتے ہیں، جن کی تفصیلات میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے؛ البتہ یہ حالات شدت کے ساتھ اس بات کے متقاضی ہیں کہ ہم ہوش کے ناخن لیں اور اپنی اندرونی خامیوں کی بھرپور اصلاح کر کے اپنے فرزندوں میں وہ ''شرر'' پیدا کریں جس کے بعد ''خیال فقر وغناء'' سے آدمی کا پیچھا چھوٹ جاتا ہے اور اسے اس بات کا یقین حاصل ہو جاتا ہے.#

کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ مدارس کے تمام ترکیبی عناصر (اساتذہ، انتظامیہ اور طلبہ) کا جائزہ لے کر اصلاح کی فکر کی جائے اور اس کے لیے کسی دوسرے کی نصیحت کا انتظار نہ کر کے فوری طور پر یہ کام شروع کیا جائے۔

اس سلسلے میں چند گذارشات پیش خدمت ہیں، ان گذارشات میں کوئی ترتیب یا جامعیت ملحوظ نہیں ہے؛ بلکہ صرف اصلاح کی فکر پیدا کرنے کے لیے اُس میں معاون چند باتوں کا تذکرہ بطور یاددہانی مقصود ہے۔ **فان الذکریٰ تنفع المؤمنین**

(۱) معیارِ تعلیم: مدارس کے بارے میں جب بھی کوئی بات کی جاتی ہے تو سب سے پہلے ان کے معیارِ تعلیم کا مسئلہ سامنے آتا ہے بالخصوص مدارس کے شان دار ماضی کے پیش نظر، جس کی کچھ جھلکیاں ''تاریخ دارالعلوم دیوبند''، ''آپ بیتی حضرت شیخ الحدیث'' اور تذکرہ وسوانح کی دیگر کتب میں ملتی ہیں، جن کو دیکھ کر تعلیمی معیار کے بارے میں احساس شدت اختیاط کرجاتا ہے۔

معیارِ تعلیم بہتر بنانے کے لیے پہلی چیز اساتذہ وطلبہ کی جانب سے اسباق کی بھرپور پابندی ہے کہ کسی شرعی، طبعی یا انتظامی عذر کے بغیر سبق کا ناغہ گوارا نہ کیا جائے، پھر طلبہ کو مطالعہ کا عادی بنایا جائے، ابتدائی درجات میں سبق سننے اور ہر طالب علم سے وقتاً فوقتاً

عبارت پڑھوانے کا اہتمام کیا جائے، عربی نحو وصرف کی عملی تمرین پر توجہ دی جائے، ان میں عربی کی صلاحیت پیدا کی جائے، گویا طلبہ کی استعداد سازی کا کام پوری سنجیدگی کے ساتھ کیا جائے، ان کو وقت ضائع کرنے سے بچایا جائے، نظام الاوقات کی پابندی کرائی جائے؛ بلکہ ہر طالب علم کو ذاتی نظام الاوقات بھی مرتب کرنے کی ترغیب دی جائے۔

یہ تمام باتیں پہلے عام طور پر مدارس میں پائی جاتی تھیں، اب خال خال پائی جاتی ہیں؛ اس لیے معیار میں اس درجہ فرق آ گیا کہ پہلے اچانک کسی مدرسے میں جا کر کسی بھی طالب علم سے سوالات کر کے اچھا گمان قائم ہوتا تھا اور آنے والا حسنِ ظن لے کر جاتا تھا اور آج بعض مدارس میں باقاعدہ امتحان کی مجلس سے مایوس و نمناک اٹھنا پڑتا ہے، اس صورتِ حال کا فوری تدارک ضروری ہے۔

حضرات اساتذہ کرام کو بھی مطالعہ کی وسعت، پوری دیانت سے کتاب حل کرنا اور سبق پڑھانا، انتھک محنت، تدین وتقویٰ اور تزکیہ نفس کا اہتمام، غیر تعلیمی مشاغل سے اجتناب، طلبہ کے ساتھ خیر خواہی وشفقت جیسے اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے ہوں گے۔ اس کے لیے نئے فضلاء اپنے اساتذہ یا بڑوں سے کسی کو اپنا نگراں بنا کر ان کے مشوروں کی روشنی میں خدمت جاری رکھیں، ہمارے سامنے ہمارے اکابر کی تدریسی زندگی کی جو تابناک مثالیں موجود ہیں، ان سے سبق حاصل کریں۔

(۲) تربیتی نظام: مدارس میں اس پہلو سے بھی تشویشناک حد تک انحطاط آیا ہے؛ جب کہ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ اس سلسلے میں پہلے سے زیادہ مستعدی و بیداری کا ثبوت دیا جاتا؛ اس لیے کہ بگاڑ کے اسباب اس دور میں پہلے سے کہیں زیادہ ہیں، پہلے زمانے میں طالب علم گھر سے بھی کچھ نہ کچھ تربیت لے کر آتا تھا اور مدرسہ میں آ کر تو اس کو صاف ستھرا ماحول مل ہی جاتا تھا، آج انٹرنیٹ اور موبائل کے دور میں نہ صرف گھر؛ بلکہ مدرسہ کی چہار دیواری میں بھی برائیوں سے اجتناب دشوار ہو گیا ہے، ایسے حالات میں تربیت پر توجہ

کی کہیں زیادہ ضرورت ہے اور اس کے لیے صرف ضابطہ کی کچھ پابندیاں کافی نہیں ہوں گی؛ بلکہ مدرسہ کے مجموعی ماحول میں صلاح وتقویٰ اور دین داری کا مزاج بنانا ہوگا اور طلبہ کی ذہن سازی اور ان کے لیے صحبتِ صالح کا ماحول فراہم کرنا ہوگا، نیز ان میں دینی تعلیم کی عظمت واہمیت پر بھرپور اعتماد پیدا کرنا ہوگا۔

اسی طرح، باطل افکار ونظریات کے شیوع کے اس دور میں طلبۂ مدارس کی فکری تربیت بھی حددرجہ ضروری ہوگی، ان میں عقیدہ کی اہمیت اور حقیقت کا ادراک پیدا کیا جائے، صحیح عقیدہ ومسلک سے روشناس کرایا جائے، باطل افکار اور فرق ضالہ کے سلسلے میں بھرپور معلومات سے آراستہ کیا جائے، دیگر مذاہب سے بھی مناسب واقفیت پیدا کی جائے، یہ تو ہر طالب علم کی ضرورت ہے پھر منتخب طلبہ کو الگ الگ موضوعات پر اختصاصی تربیت دی جائے۔

جہاں تک انتظامی معاملات کی بات ہے ان میں بھی بڑی نزاکتیں ہیں اور ان کی بھرپور اصلاح وقت کا شدید تقاضہ ہے، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مدارس قائم کرنے کا محرک صرف علاقہ کی حقیقی ضرورت اور دینی تقاضہ ہو، اس کے بغیر کسی بھی دیگر سبب سے مدرسہ قائم کرنے کا سلسلہ فوری طور پر بند کیا جائے اور اس کا فیصلہ ہر شخص کا ضمیر ہی کرسکتا ہے ورنہ ہمارے پاس اس کی روک تھام کے لیے کوئی ضابطہ کا نظام تو نہ ہے اور نہ ہوسکتا ہے؛ اس لیے اس مسئلہ پر پوری دیانت، خداترسی اور اخلاصِ نیت سے غور کرکے فیصلہ کیا جائے۔

پھر ادارہ کے لیے لائق اساتذہ کا تقرر اور محنتی اساتذہ کی حوصلہ افزائی کا سلسلہ ہو اور استاذ کی اصل کارگذاری اس کی تعلیمی محنت ہی کو قرار دیا جائے، تنخواہوں کا معیار بہتر بنایا جائے، طلبہ کے لیے بھی قیام وطعام کا نظام درست رکھا جائے، ایسا نہ ہو کہ دارالاقامہ یا مطبخ دیکھ کر کوئی سلیقہ مند آدمی اپنے بچے کو مدرسہ میں بھیجنے کا ارادہ ہی بدل دے، صفائی ستھرائی کا بھی اہتمام کیا جائے۔

ایک بہت اہم پہلو مالیاتی معاملات کا ہے، اس میں سب سے اہم جز حسابات کی صفائی اور ان کا پوری دیانت وامانت پر مبنی ہونا ہے کہ حساب دیکھ کر کسی بھی سرکاری یا

غیر سرکاری شخص کو انگلی رکھنے کا موقع نہ ملے، نیز فراہمی مالیات میں آبرومندانہ طرز عمل اختیار کیا جائے اور صرف اسباب ہی کو سب کچھ نہ سمجھا جائے؛ بلکہ مسبّب الاسباب پر نظر رکھی جائے، اس کے لیے حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ کے ''اصول ہشت گانہ'' برائے دارالعلوم دیوبند سے رہنمائی لی جائے کہ انسان کس طرح اسباب کی فراہمی کا اہتمام کرتے ہوئے توکل علی اللہ کی دولت سے بہرہ ور رہ سکتا ہے۔

یہ چند گذارشات ارباب مدارس کی خدمت میں اس لیے پیش کی جارہی ہیں کہ ہمیں یقین ہے کہ ابھی قدرت کو اس نظام مدارس سے کام لینا اور اسے باقی رکھنا منظور ہے؛ اس لیے اس نظام کو ہر قسم کے خلل اور کمزوری سے پاک کرنا ہی اس کے ساتھ اصل خیرخواہی ہے جس سے ان مدارس کو نئی زندگی ملے گی اور پورے اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اہل مدارس نے اخلاص کے ساتھ ان امور پر توجہ دینے کا کام شروع کر دیا اور ''ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا'' سے اپنے آپ کو بلند کرلیا تو ان مدارس کا مستقبل، ان کے ماضی کی طرح روشن اور تابناک ہوجائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

جنت میں داخلہ:

عن أبی أمامۃ الباھلی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مَنْ قَرَأَ خَوَاتِیْمَ الْحَشْرِ فِيْ لَيْلَةٍ أَوْ نَهَارٍ فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهٖ أَوْ لَيْلَتِهٖ فَقَدْ أَوْجَبَ الْجَنَّةَ۔ (شعب الایمان للبیہقی رقم الحدیث ۲۲۷۱)

حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص رات کو یا دن کو سورہ حشر کی آخری آیات پڑھے گا اور اس رات میں یا دن میں اس کی روح قبض کرلی جائے گی تو اس کے لیے جنت واجب ہوجائے گی۔

حلالہ کیا ہے؟

مفتی امانت علی قاسمی استاذ دارالعلوم حیدرآباد
E-mail: aaliqasmi1985@gmail.com Mob.07207326738

اگست کے مہینہ میں سپریم کورٹ کا تین طلاق پر فیصلہ آیا، فیصلہ کا استقبال واحترام دونوں حلقوں کی جانب سے کیا گیا، حکومت نے بھی اس کو مسلم عورتوں کی جیت قرار دی؛ لیکن جوں جوں سپریم کورٹ کے تین سو پنچانوے صفحات کا مطالعہ ہوتا گیا تو منظر صاف ہونے لگا کہ یہ فیصلہ، مسلم پرسنل لاء کے خلاف ہے، بہر حال یہ ایک مقدمہ تھا، اس سے پہلے بھی عدالت کی طرف سے مسلم پرسنل لاء کے خلاف فیصلے ہوئے ہیں، شاہ بانو کیس میں بھی مسلم پرسنل لاء کے خلاف فیصلہ ہوا تھا، جس کو نظیر بنا کر آج بھی مطلقہ کے نفقہ کا فیصلہ عدالتوں میں ہوتا ہے؛ لیکن سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ کے بعد کچھ ارباب دانش وبینش کی رائے ہو رہی ہے کہ تین طلاق کے مسئلہ پر اسلام کی شبیہ بگاڑی جا رہی ہے، میڈیا میں مسلمانوں کا مذاق بنایا جا رہا ہے، حلالہ سینٹر سے میڈیا پردہ اٹھا رہا ہے، اور عورتوں پہ ہو رہے ظلم کو منظر عام پر لا کر اسلام پر حملے کئے جا رہے ہیں، اسلام پر کیچڑ اچھالے جا رہے ہیں؛ اس پوری صورت حال میں جس چیز نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے، وہ حلالہ ہے۔

اسلام سے پہلے طلاق دینے کی کوئی تحدید نہیں تھی، ایک آدمی اپنی بیوی کو جتنی چاہے طلاق دے سکتا تھا اور بعض لوگ اپنی بیوی کو پریشان کرنے لئے بار بار طلاق دیتے تھے، پھر رجوع کر لیتے تھے اس طرح نہ وہ اس عورت کو اپنی بیوی بنا کر رکھتے تھے نہ ہی آزاد کرتے تھے، اسلام کی آمد کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری تھا، ایک صحابی نے اپنی بیوی سے یہی جملہ کہا تھا کہ تم کو لٹکا کر رکھوں گا اس نے پوچھا وہ کیسے تو اس صحابی نے کہا کہ تم کو طلاق دے دوں گا

پھر جب عدت ختم ہونے کو ہوگی تو رجوع کرلوں گا پھر طلاق دے دوں گا اور یہ سلسلہ قائم رہے گا، اس عورت نے اس کی شکایت آپ ﷺ سے کی اس موقع پر قرآن قریم کی یہ آیت نازل ہوئی **الطلاق مرتان** کہ اب طلاق کی تحدید کردی گئی ہے، ایک طلاق دو اور اگر دوبارہ طلاق کی ضرورت پڑے تو دوسری طلاق دو، لیکن دو سے زائد طلاق مت دو، اب اگر کوئی تیسری طلاق دینے کی غلطی کرے گا، تو اب اس کے لئے دروازا بند ہوگیا اور وہ عورت اس مرد پر مکمل طور پر حرام ہوگئی ہے، اس سے نکاح کی کوئی گنجائش نہیں ہے، وہ عورت عدت کے بعد شوہر سے مکمل طور پر آزاد ہوگئی ہے، پہلے شوہر پر اس کا کوئی حق نہیں ہے اور نہ ہی پہلا شوہر اب اس پر مزید ظلم کرسکتا ہے، وہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کرسکتی ہے، اس کے لئے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، قرآن کی اس ہدایت کے مطابق وہ عورت دوسرے مرد سے شادی کرے گی اور اسی کے ساتھ اپنی زندگی گزارے گی، لیکن اگر یہ دوسرا مرد بھی کسی وجہ سے طلاق دے دے یا اس دوسرے مرد کا انتقال ہوجائے تو عدت کے بعد عورت پھر آزاد ہے۔

یہاں شریعت نے عورت کو اس کی اجازت دی ہے کہ اگر عورت چاہے تو کسی دوسرے مرد سے شادی کرلے اور اگر چاہے تو وہ پہلے مرد سے بھی شادی کرسکتی ہے، قرآن کریم کی اس آیت **فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ** میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے، شریعت کی اصطلاح میں اسی کو حلالہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حلالہ کی یہ صورت قرآن کریم سے ثابت ہے، جو شریعت کا ایک لازمی حصہ ہے، اس کے علاوہ حلالہ کی اور صورتیں ہوسکتی ہیں: مثلاً کہ ایک عورت کو اس کے ظالم اور اسلامی تعلیم سے نابلد شوہر نے تین طلاق دے دی اور اب وہ اپنی اس بیوی کے ساتھ پھر سے رشتہ ازدواج کو برقرار رکھنا چاہتا ہے وہ ظلم کی ماری اپنا کوئی مناسب سہارا نہ دیکھ کر اور بسے بسائے گھر کو اجڑتا دیکھ کر ہر طرح کی تکلیف اور ذلت برداشت کرکے اسی مرد کے ساتھ رہنے کے لئے تیار ہوجاتی ہے اور دونوں اس پر راضی ہوجاتے ہیں کہ ہم ہر صورت میں ایک ساتھ رہنا چاہتے ہیں

تو مفتیان کرام یہ فتوی بتا دیتے ہیں کہ جب تک اس عورت کی دوسری شادی نہ ہو جائے وہ اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوسکتی ہے، تو حالات کا شکار وہ عورت اس عمل کے لئے بھی راضی ہو جاتی ہے اب وہ عورت کسی مرد کے ساتھ اسی شرط کے ساتھ شادی کرتی ہے کہ وہ اس کو پہلے مرد کے لئے حلال کر دے گا، بعض ایسے بھی ہیں جو پیسے (اجرت) لے کر شادی کرتے ہیں تا کہ عورت کو اس کے پہلے شوہر کے لئے حلال کر دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ ایسے ضمیر فروش پیدا ہوسکتے ہیں اس لئے آپ نے انہیں دو قسم کے لوگوں پر لعنت فرمائی **لعن اللہ المحلل و المحلل له** کہ حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت ہے۔

حلالہ کی ایک جائز و مناسب صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے کر اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے، اب اس سے نکاح کی کوئی صورت نہیں رہتی ہے، دونوں بے چینی کی زندگی گزارتے ہیں اور شریعت پر عمل کرتے ہیں، ایک شخص جو اس پورے منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے وہ کوئی بات کئے بغیر عدت کے بعد اس عورت سے شادی کر لیتا ہے اور پھر اس کو طلاق دے دیتا ہے تا کہ یہ عورت اپنے پرانے شوہر سے نکاح کر کے اپنے بسے بسائے گھر کو پھر سے آباد کر لے، یہاں وہ شخص نکاح سے پہلے نہ تو حلالہ کی بات کرتا ہے اور نہ ہی وہ عورت کو اپنے ارادے سے باخبر کرتا ہے اور نہ کسی قسم کی کوئی شرط لگاتا ہے اور عورت بھی کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں کرتی ہے، تو حلالہ کی یہ صورت بھی درست ہے، اس پر کوئی لعنت بھی نہیں ہے۔

ایک قابل غور پہلو یہ ہے کہ جب حلالہ کا ذکر قرآن میں ہے تو اس کو ختم کرنے کا منصوبہ کیسے بنایا جاسکتا ہے، ہاں حلالہ کا جو غلط طریقہ رائج ہو رہا ہے جس کی بنا پر اسلام کو بدنام کیا جا رہا ہے اور جس پر حدیث میں لعنت آئی ہے اس کو بند کرنے کی عملی صورت پیدا ہونی چاہیئے اور اس سلسلے میں ارباب فکر و نظر کو غور کرنا چاہیئے اور اس کی حکمت عملی طے ہونی چاہیئے ۔

ایک مسئلہ کی طرف توجہ دلاتا چلوں کہ پورے واقعہ میں جس کا سب سے زیادہ حوالہ دیا گیا ہے، وہ ہے میڈیا کے کردار کا، کہ میڈیا نے حلالہ آپریشن دکھایا اور اس کو اجاگر کیا کہ دھرم کے نام کس طرح عورتوں کی عزت سے کھیلا جارہا ہے، سوال یہ ہے کہ ایسے حلالہ سینٹر کے خلاف حکومت نے کیا کاروائی ہے، کتنوں کو جیل میں بند کیا گیا؟ اگر حکومت ان پر شکنجہ کستی تو میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی مسلم تنظیم کو اعتراض نہیں ہوتا اس لئے کہ ایسے حلالہ سینٹر سب کے سب غیر مذہبی اور غیر اخلاقی ہیں، لیکن ان پر کوئی کیس نہیں ہوا ہے اور نہ ہی اس تعلق سے کوئی خبر میڈیا میں آئی اس لئے کہ جس طرح کے شو اور آپریشن دکھائے جارہے تھے، واقعہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا، یہ صرف اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی سازش تھی، آخر کیا ہم میڈیا کے اس طرح کے پروپیگنڈوں سے متاثر ہوکر شرعی مسائل میں لچک پیدا کرتے رہیں گے، جہاں تک مسئلہ میڈیا یا حکومت کا ہے تو اس پورے منظر نامے میں یہ بات بالکل صاف ہوجاتی ہے کہ ان کا مقصد مسلم پرسنل لاء میں چھیڑ خانی کا تھا اور ہے اور اس کے لئے یہ سب وسائل استعمال ہوئے ہیں۔

ایک آخری بات یہ کہ موجودہ حالات میں کیا کرنا چاہئے؟ اس سلسلے میں ہمیں اعتراف ہے کہ اصلاحی کوششیں پہلے سے کہیں زیادہ ہورہی ہیں، لیکن حالات پہلے سے کہیں زیادہ خراب ہو رہے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے دینی مسائل کی اہمیت اور اس سے دلچسپی عمر کے جس مرحلے میں پیدا ہونی چاہئے وہ نہیں ہورہی ہے، نکاح وطلاق کے مسائل ہمارے نصاب کا حصہ ہونا چاہئے؛ جبکہ آج کل بچوں کو عصری تعلیم دلانے پر اکتفاء کرلیا جاتا ہے اور دینی تعلیم دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی، بہت سے بہت قرآن اور مختصر اردو و دینیات کی تعلیم کسی حافظ سے دلادی جاتی ہے، بچہ جوان ہوجاتا ہے اور شادی کی عمر کو پہنچ جاتا ہے، لیکن اسے نکاح وطلاق کے مسائل کا علم نہیں ہوتا ہے، طلاق تو عام طور پر ہمارا نوجوان طلاق دینے کے بعد ہی جانتا ہے کہ یہ کس چیز کا نام ہے اور کیا کرنا چاہئے تھا اور کیا نہیں کرنا چاہئے، ظاہر ہے (بقیہ ص:۳۶ پر)

گذشتہ سے پیوستہ

دینی مدارس کے بنیادی مقاصد

مولانا محمد معاویہ سعدی استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

خلاصہ یہ کہ مدارسِ اسلامیہ کے اِس نصاب ونظام کا (اپنے عمل کے اہتمام اور اصلاح کی فکر کے بعد، سب سے بڑا) مقصودِ اصلی: طلبہ کے اندر نص فہمی کا ملکہ پیدا کر کے، نصوصِ شرعیہ (قرآن وحدیث کے الفاظ ومعانی) کی حفاظت کرنا ہے، اور یہ ایسا مبارک سلسلہ ہے کہ اس کا تذکرہ ایک حدیث شریف میں بھی کیا گیا ہے: ''یَحمِلُ هذا العلمَ من کل خَلَف عُدولُه: یَنفون عنه تحریف الغالین، وانتِحال المُبطلین، وتأویل الجاهلین'' (اِس علم کو ہر اگلی نسل میں سے کچھ عادل اور ثقہ لوگ حاصل کریں گے، جو دین میں غلو کرنے والوں کی تحریفات، اہل باطل کے جھوٹے دعوے، اور جاہلوں کی غلط تاویلات سے دین کو بچائیں گے)

الجامع لأخلاق الراوي للخطيب البغدادي ۱۲۸/۱، والحديث بطرقه وشواهده حسن۔

لہٰذا جو نصاب ونظام ایسا علم عطا کررہا ہو، اور اپنے طلبہ میں دینی اِنحراف کرنے والوں کو روکنے ٹوکنے کی صلاحیت پیدا کررہا ہو، وہ پوری طرح سے کامیاب ہے، اُس کو داخلی، خارجی کسی پروپیگنڈہ سے متاثر ومرعوب ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔

ہاں اگر اس کی اس صلاحیت ہی میں زنگ لگ رہا ہو، اور وہ خود اپنے مقصودِ اصلی سے بھٹک گیا ہو، تو یقیناً ایسے نصاب ونظام کی ''تجدید'' کی ضرورت ہے، مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ''تجدید'' کسی شے کو اُس کی اصل شکل میں واپس لے جانے کو کہتے ہیں، نہ کہ ''ہیولی'' اور ''حلیہ'' کے تبدیل کردینے کو، تو ہمارے مدارسِ دینیہ میں تجدید کی ضرورت ہے، اور بہت سخت ہے، مگر ''تجدد'' اور ''تبدل'' کی بالکل نہیں ہے، کیوں کہ ہمارے ہاں یہ بات طے ہے: لن يصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح أولها۔

مگر آج کل جو صورتِ حال مشاہدہ میں آرہی ہے وہ یہ کہ عام طور پر اہل مدارس مرعوبیت کا شکار ہوتے جارہے ہیں، جس کے نتیجے میں بجائے اِس کے کہ وہ اپنے اصل مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی کوتاہیوں کا جائزہ لیتے؛ اپنی علمی وعملی کمزوریوں کی تلافی دیگر راستوں اور طریقوں سے کرنے کی کوشش کرتے ہیں، غیر متعلق کاموں اور میدانوں میں حصہ لے کر اپنی واقعی خرابیوں پر پردہ ڈالتے ہیں، ''حفاظتِ نصوص'' کے سلسلہ میں اپنے صدیوں کے مجرب اور ثمر آور نصاب ونظام سے فائدہ اٹھانے کے بجائے، نئے نئے مشوروں اور تجربوں سے متاثر ہورہے ہیں۔

میں اِس موقع پر اربابِ مدارس سے یہ عاجزانہ التماس اور پرزور سفارش کروں گا کہ وہ پوری خود اعتمادی اور استقامت کے ساتھ اپنے قدیم نصاب ونظام سے وابستہ رہیں، مگر ساتھ ہی اپنی کمزوریوں کا جائزہ بھی لیتے رہیں، کہ خود احتسابی ''تجدید'' کا پہلا زینہ ہے، پھر اپنی کوتاہیوں کی تلافی اپنے بزرگوں کے چھوڑے ہوئے نقوش سے کریں، نئے نئے راستوں پر بھٹک کر، اور نئی نئی روشنی میں کھو کر نہیں۔

اپنے طلبہ میں کسی بھی ذوق سے پہلے علمی ذوق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، اس کے لیے اُن کو قرآن وحدیث میں واردِ علم اور علماء کے فضائل سنانے کا سلسلہ رکھا جائے، اُن کے سامنے صحابۂ کرام کی علمی قربانیوں، تابعین وتبع تابعین کے علمی مجاہدوں، فقہاء ومحدثین کی علمی کارگذاریوں کا ذکر وتذکرہ کیا جائے، اگر اُن کے پیش نظر وہ فضائل رہیں گے تو وہ ''علم'' کے حصول کو ایک دینی فریضہ، ایک اُخروی سودا اور ایک نفع بخش محنت سمجھیں گے، اُن کے اندر اس کی طلب کا جذبہ پیدا ہوگا، عزم واِرادہ میں تازگی آئے گی، اور بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے اور انہی جیسا بننے کا حوصلہ ہوگا۔

اَپنے اکابر دیوبند کی سیر وسوانح کا مطالعہ کرنے اور بطورِ خاص حضرت گنگوہی، حضرت سہارنپوری اور حضرت تھانوی رحمہم اللہ کی کتابوں سے استفادے کا مشورہ دیا جائے کہ یہ خالص علمی ذوق پر مبنی ہوتی ہیں۔

ان تینوں بزرگوں کی کتابوں کے دیکھنے سے بحیثیتِ مجموعی: ایک تو سنتوں سے محبت پیدا

ہوتی ہے، دوسرے تفقہ فی الدین اور نصوص فہمی کی صلاحیت حاصل ہو کر خالص علمی اور دینی ذوق بنتا ہے، تیسرے دین میں جامعیت کی شان پیدا ہوتی ہے، چوتھے اپنے سلفِ صالحین: فقہاء، محدثین، صوفیاء، سلاطین وغیرہ سے حسن ظن پیدا ہوتا ہے، پانچویں اہلِ باطل کے التباس وانحراف کے مخفی راستوں سے واقفیت ہوتی ہے، چھٹے ان کے رد و اِبطال کی استعداد، اِحیائے سنت کا جذبہ، اور قمعِ بدعت کا حوصلہ ملتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کسی طالب علم کے اندر جو کتابی اور نصابی کمزوریاں باقی رہ جاتی ہیں؛ یہ بزرگانِ دین ایسے ہیں کہ ان کی کتابوں سے ان کمزوریوں کی تلافی کی جاسکتی ہے، اور کمزوریاں نہ بھی ہوں جب بھی اِس زمانے میں خالص دینی ذوق پیدا کرنے اور ماحول میں موجود فکری وعملی انحراف سے بچنے کے لیے ان تینوں حضرات (خصوصاً حضرت تھانویؒ) کی کتابوں کو نسخۂ کیمیا کی حیثیت حاصل ہے۔

اِسی طرح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی ’’آپ بیتی‘‘ طلبہ کی فکری اور ذوقی تربیت کے لیے، اور بطور خاص اپنے اکابر دیو بند کے تعارف کے لیے بہترین اور مفید ترین کتاب ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو دینی مدارس کی اِس عظیم الشان نعمت کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائیں، اور صحیح طور پر، صحیح مصرف میں اُن کے بہترین اِستعمال کی توفیق عطا فرمائیں۔

آخر میں موضوع کی مناسبت سے علماء و مدارس سے متعلق حضرت تھانویؒ کے چند ملفوظات پیشِ خدمت ہیں:

’’میں میدان میں آنے کا من کل وجہ مخالف نہیں ہوں، بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ سب کو میدان میں نکلنا جائز نہیں ہے، ہاں جب علماء: علم دین کو اچھی طرح حاصل کرلیں تو جن کو میدان میں نکلنے کا شوق ہو وہ آئیں، مگر کچھ حجرہ نشین بھی ہونے چاہئیں، جن کا کام سوائے قال اللہ وقال الرسول اور سوائے کتابیں پڑھنے پڑھانے کے کچھ نہ ہو، کیوں کہ تجربہ یہ ہے کہ کتابی استعداد اور فتوی دینے کی قابلیت بدون اس کے کامل نہیں ہوتی۔

جو علماء میدان میں آئے ہوئے ہیں ان میں اکثر تو وہ ہیں جن کی کتابی استعداد بالکل

نہیں، اور اگر کسی کو یہ قابلیت حاصل ہوتو یہ حجرہ نشینی ہی کی برکت ہے کہ وہ ایک مدت تک حجرہ نشین ہوکر کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہا ہے، مگر آپ اُس حجرے ہی کو بند کرنا چاہتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چند روز میں قرآن وحدیث اور فقہ کو سمجھنے والے اور ان کو صحیح طور پر حل کرنے والے دنیا سے ناپید ہوجائیں گے، اگر اس کی ضرورت آپ محسوس کرتے ہیں اور یقیناً ہر شخص اس کی ضرورت کو تسلیم کرے گا تو ضروری ہے کہ سب علماء میدان میں نہ آئیں، کچھ میدان میں آئیں، اور کچھ مناظرہ کریں، کچھ تبلیغ کریں۔

اور ایک جماعت ایسی ہو کہ جو ان سب کاموں سے الگ ہوکر قرآن وحدیث وفقہ اور ضروریات کی تعلیم دیں، ان کو سوائے تعلیم وتعلم کے کچھ نہ کرنا چاہیے، ورنہ قابل علماء ہرگز نہ پیدا ہوں گے، تقسیمِ خدمات بہت ضروری ہے، حیرت ہے کہ ہمارے بھائی اس کو نظر انداز کرکے سب کو ایک کام میں کیوں لگانا چاہتے ہیں؟! بس علماء کا جو کام ہے جس کا انھوں نے بیڑا اٹھایا ہے وہ اس کو بحمد اللہ بخوبی کررہے ہیں، آپ کو ان کے کام میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔(التبلیغ :غایۃ النجاح ج ۱۲؍ص ۱۷۱)۔

اَب تو یہ حالت ہے اور اسی کی فکر ہے کہ میدان میں آنا چاہیے، میدان (سیاست) میں آنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حجرہ بھی ہاتھ سے جاتا رہتا ہے، اور میدان بھی ہاتھ نہیں آتا، پھر ان لوگوں کے نزدیک میدان میں آنے کی نہ کچھ شرائط ہیں، نہ حدود ہیں، یہاں تک نوبت آگئی ہے کہ زبانوں پر یہ آتا ہے کہ مسائل کا وقت نہیں، کام کا وقت ہے، کام کرنا چاہیے(الافاضات ج ۱؍ص ۱۳)۔

سخت افسوس ہے کہ بعضوں کی تو یہاں تک نوبت آگئی ہے کہ علم دین میں مشغول ہونے کو فضول اور بے کار سمجھتے ہیں، نہ معلوم یہ سبق کہاں سے حاصل کیا ہے؟ یورپ میں بھی تو یہ طریقہ نہیں، وہاں بھی بعض اوقات اس قسم کی (سیاسی) تحریکات ہوتی ہیں، مگر جو جماعت علم کی تحصیل میں مشغول ہے اس کو ان تحریکات میں شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی، ہوش سے کام کرنے کی ضرورت ہے، جوش سے اول تو کام نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی

ہے تو اس کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے (الافاضات ج ۱ ص ۹۵)۔

اگر (شرعی) حدود سے گذر کر ترقی کی جائے تو وہ ایسی ہوگی جیسے فرعون نے ترقی کی تھی، تو ایسی ترقی سے ایک مسلمان ایمان والے کو کیا فائدہ؟ ایسی ترقی مسلمانوں کی ترقی کے قابل کب ہوگی؟ یقیناً کفار کی ترقی کہلائے گی، مسلمانوں کے لیے ایسی ترقی میں کون سی خوبی ہوگی؟ ان کی خوبی تو ایسی ترقی میں ہے کہ (شرعی) حدود کا تحفظ ہو، اور پھر ترقی ہو، یہ خوبی کی بات ہے (ملفوظات ج ۲ ص ۱۵)۔

اے عزیز طلباء! آپ لوگوں کا پڑھنا بھی تبلیغ ہے، اگر نیت اچھی ہے :**إنما الأعمال بالنيات**، اگر آپ کی نیت یہ ہو کہ پڑھنے سے فارغ ہو کر امر بالمعروف (اور اشاعتِ دین) کروں گا تو یہ پڑھنا بھی تبلیغ ہی کا شعبہ ہے۔

درس وتدریس تبلیغ کا بڑا فرد ہے، اگر کتابیں مدون نہ ہوتیں تو بڑا اخلاطِ مبحث ہوتا، دین میں بڑا فساد پھیلتا، اگر کتابیں نہ ہوں تو سلف کی باتیں ہم تک پہنچنے کی کوئی صورت نہیں، خدا کا بڑا اِحسان ہے کہ اس نے اپنی عنایت ورحمت سے کتابیں مدون کرادیں، مدرسے قائم کرادیئے، اس کے سامان مہیا کردیئے، بغیر مدارس قائم کیے کتابوں کی تعلیم ممکن نہیں، لہٰذا یہ بدعت نہیں، بلکہ سنت ہے، کیوں کہ اِس درس وتدریس سے مقصود تبلیغ ہی ہے۔

سو یہ درس وتدریس تبلیغ کا اتنا بڑا فرد ہے، مگر ہم تبلیغ (اشاعتِ دین/امر بالمعروف) کی نیت نہ کرنے سے اس کے ثواب سے محروم ہیں۔ (ملخص از حواشی : حقوق العلم متفرقاً) (فیض احمد فیض)

إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت، وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت وإليه أنيب، وما علينا إلا البلاغ المبين، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وآله أصحابه أجمعين، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

تاج محل ـــــ تاریخ کے ساتھ کھلواڑ

تحریر: کلدیپ کمار ـــــ انتخاب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

ایسا لگتا ہے کہ سنگھ پریوار نے مسلمانوں کے تئیں اپنی نئی پالیسی بڑی باریک بینی اور دقت نظری کے ساتھ ترتیب دی ہے، جس پر وہ عمل پیرا ہے؛ چنانچہ ماضی میں کبھی بھی اس کی طرف سے ہندوستان میں موجود مختلف تاریخی آثار وبقیات کی مسلم شناخت کا حوالہ نہیں دیا گیا، مگر اب بہ تدریج اس قسم کی چیزیں بھی سامنے آرہی ہیں، چنانچہ ۲۶/مارچ ۲۰۱۵ء کو آگرہ کے چھ وکلا نے ضلعی عدالت میں ایک پیٹیشن دائر کی، جس میں دعویٰ کیا گیا کہ تاج محل دراصل شیومندر تھا، جس کا نام تیجومہالیہ تھا، لہٰذا ہندوؤں کو اس کے اندر پوجا کرنے کی اجازت ملنی چاہیے، اس پیٹیشن میں یہ بھی دعویٰ کیا گیا کہ ’’بارہویں صدی میں راجا پرمردی دیو نے تیجومہالیہ مندر کی تعمیر کروائی تھی، جسے آج عام طور پر تاج محل کے نام سے جانا جاتا ہے، شاہجہاں نے اپنے دورِ اقتدار میں اس پر قبضہ کرلیا‘‘۔

عدالت نے اپنی صوابدید پر اس پیٹیشن کو قبول کرتے ہوئے وزارتِ داخلہ، وزارتِ ثقافت اور آرکیالاجیکل سروے آف انڈیا (ASI) کو نوٹس بھیج کر جواب طلب کیا، وزارتِ ثقافت نے تو نومبر ۲۰۱۵ء میں ہی لوک سبھا میں کہہ دیا تھا کہ تاج محل ایک مقبرہ ہے، مندر نہیں ہے، جبکہ اے ایس آئی نے اگست ۲۰۱۷ء میں آگرہ کورٹ کو بتایا کہ انسانی ہاتھوں سے بنایا گیا یہ عجوبہ (تاج محل) کبھی بھی مندر نہیں تھا، یہ شروع سے ایک مسلم مقبرہ ہے۔

آرایس ایس دراصل ’’پرشوتم ناگیش اوک‘‘ کے نظریات کے زیرِ اثر پلی بڑھی ہے، یہ صاحب ایک خودساختہ مؤرخ تھے، انھوں نے ۱۹۶۴ء میں ہندوستانی تاریخ کو دوبارہ لکھنے کی غرض سے ایک ادارہ قائم کیا تھا، انھوں نے بہت سے مفروضات گڑھے، جن میں

سے ایک یہ بھی تھا کہ جزیرۂ عرب دراصل وکرماجیت کی سلطنت کا حصہ تھا اور کعبہ بھی دراصل ایک ہندومندر تھا، انھوں نے کئی کتابیں بھی لکھیں، انھوں نے اپنی ایک کتاب میں لکھا کہ قطب مینار دراصل مشاہدۂ فلکیات کے لیے بنایا گیا ٹاور تھا، جبکہ لال قلعہ بھی ایک ہندو راجا کے ذریعے تعمیر کروایا گیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانی تاریخ اب سیاست اور سیاسی پارٹیوں کی لونڈی بن گئی ہے، جسے سب اپنے اپنے حساب سے نچار ہے ہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ اب آر ایس ایس نے اپنی پالیسی میں تھوڑی ترمیم کرلی ہے، چنانچہ مسلم تاریخی آثار کی ہندو اصلیت ثابت کرنے اور انھیں قبضانے پر زور دینے کی بجائے اب ان کا زور اس پر ہے کہ ان آثار وبقیات کی تحقیر وتخفیف کر کے براہِ راست مسلمانوں کی ''ہندوستانیت'' پر ہی دھاوا بول دیا جائے، چنانچہ اس کی شروعات اپنے زہرناک مسلم مخالف بیانات کے لیے مشہور یوپی کے موجودہ وزیر اعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ نے دربھنگہ میں 16 / جون کو یہ کہہ کر کی کہ ''تاج محل ہندوستانیت کی علامت نہیں ہے''، اخباری ذرائع نے ان کے الفاظ اس طرح نقل کیے کہ: ''پہلے جب کوئی بڑی غیر ملکی شخصیت ہندوستان آتی تھی، تو اسے تاج محل یا میناروں کی تصاویر اور مجسمے ہدیتاً پیش کیے جاتے تھے، جو ہندوستانی تہذیب کی علامات کا حصہ نہیں ہیں، مگر پہلی بار ایسا ہو رہا ہے کہ یہاں کے وزیر اعظم جب کسی باہر ملک جاتے ہیں یا باہر سے کوئی مہمان آتا ہے تو اسے بھگوت گیتا یا راماین بطور ہدیہ کے پیش کی جاتی ہے''۔ اس ماہ کے شروع میں ایسی خبریں آئی تھیں کہ یوپی کے محکمۂ سیاحت نے اپنے کتابچے ''آپار سمبھاونائیں'' (لامحدود امکانات، جس میں یوپی کے سیاحتی مقامات کی نشان دہی ہوتی ہے) سے تاج محل کو نکال دیا ہے، اس کتابچے میں ہندوؤں کے مذہبی مقامات کو نمایاں کیا گیا ہے، مثال کے طور پر اس کے ٹائٹل پر بنارس کی ''گنگا آرتی'' کی تصویر ہے، جبکہ الہ آباد کے کمبھ میلے کی مذہبی وثقافتی اہمیت کو اُجالا گیا ہے، یہ کتابچہ اجودھیا کو رام جنم بھومی کے طور پر متعارف کرواتا ہے، جبکہ متھرا اور ورنداون کو کرشن کنکشن کی وجہ سے نمایاں کر کے

پیش کرتا ہے، حتیٰ کہ گورکھپور میں یوگی آدتیہ ناتھ کی سربراہی میں چلنے والے گورکھ پیٹھ کا بھی اس کتابچے میں تذکرہ ہے، اس موقع پر ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ایک طرف گورکھ ناتھ مندر کی زیارت کرنے والوں کی صحیح تعداد کا بھی پتا نہیں ہے، جبکہ تاج محل ہندوستان بھر کے سیاحتی مقامات میں سب سے زیادہ ریونیو حاصل کرنے والی سیاحت گاہ ہے، اس معاملے پر بعد میں یوپی حکومت کی وضاحت آئی تھی کہ اس کتابچے میں صرف ان مقامات کی نشان دہی کی گئی ہے، جنھیں نئی سیاحتی پالیسی کا حصہ بنایا گیا ہے، حالاں کہ دوسری جانب بی جے پی ایم ایل اے سنگیت سوم کا تاج محل کے تعلق سے دیا گیا حالیہ بیان براہِ راست اس کتابچے سے تاج محل کو نکالنے سے جڑا ہوا ہے، اس سے ایک اندازہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو ہندوستانی تاریخ کا ذرا بھی علم نہیں ہے اور ان کی سوچ کا دائرہ آر ایس ایس کی مرتب کردہ فرضی تاریخ تک ہی محدود ہے، سوم نے اپنی بات کو صحیح ٹھہراتے ہوئے اورنگزیب اور شاہجہاں کو آپس میں خلط ملط کر دیا اور کہا کہ تاج محل کو بنوانے والے نے اپنے باپ کو جیل میں ڈالا تھا، ساتھ ہی یوپی کے ہندوؤں کو برانگیختہ کرتے ہوئے کہا کہ ایسے شخص کو ہندوستانی تاریخ میں جگہ نہیں ملنی چاہیے۔

بی جے پی نے اس قضیے سے بظاہر خود کو الگ رکھ کر بڑی عیاری سے سنگیت سوم کی تائید کی ہے، پارٹی کے قومی ترجمان جی وی ایل راؤ نے کہا کہ ''جس دور میں ہندوستان پر مسلمانوں نے حکومت کی، وہ بدترین استحصال، بے انتہا ظلم اور دوسرے مذاہب واہلِ مذاہب کے تئیں بے نظیر عدمِ برداشت کا دور تھا''، جبکہ وزیر اعلیٰ نے ڈیمیج کنٹرول کرتے ہوئے یہ بیان دیا کہ یہ اہم نہیں ہے کہ تاج محل کو کس نے بنوایا، اہم یہ ہے کہ یہ ہندوستانیوں کے خون پسینے سے تعمیر ہوا ہے، قابلِ غور ہے کہ اس بار انھوں نے تاج محل کے ہندوستانی یا غیر ہندوستانی ہونے پر کوئی بات نہیں کی، آپ غور کریں تو پتا چلے گا کہ برطانوی مؤرخین نے بڑی چالاکی سے ہندوستانی تاریخ کو تین حصوں میں منقسم کر رکھا ہے، وہ پہلے دو حصوں کو ہندو اور مسلم عہد کا عنوان دیتے ہیں، جبکہ تیسرے حصے کو برطانوی (عیسائی نہیں) عہد کا، اسی تقسیم کی وجہ سے ماقبل برطانوی عہد کو

ہندو مسلم دشمنی کے چشمے سے دیکھنے کا رجحان پیدا ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہندوتوا طاقتیں شروع سے مسلم مخالف تو رہی ہیں، مگر برطانیہ یا استعماریت مخالف کبھی نہیں رہیں، آر ایس ایس اور ہندو مہا سبھا نے اپنی ساری طاقت وقوت ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف منظم و برانگیختہ کرنے میں تو صرف کیا؛ لیکن خود کو جدوجہدِ آزادی سے قطعی الگ تھلگ رکھا، ان کے غیظ وغضب کا واحد نشانہ ہندوستان کے مسلمان تھے۔

بہر کیف اگر تاج محل کو اس وجہ سے تاریخی وسیاحتی مقامات کی فہرست سے خارج کر دینا چاہیے کہ اسے ایک ''باہری'' بادشاہ نے بنوایا تھا، تو پھر مودی کو بھی یومِ آزادی کے موقع پر اُس لال قلعہ سے خطاب کرنے کا جواز نہیں ہونا چاہیے، جسے اُسی شخص نے بنوایا تھا، یہ بھی تو بتائیں کہ کیا پارلیمنٹ اور قصرِ صدارت کو ''باہری حکمرانوں'' نے نہیں بنوایا؟ تو کیا ان کا بھی بائیکاٹ ہونا چاہیے؟ بلاشبہ اس پروجیکٹ میں واقعی ''آپار سمبھاونائیں'' ہیں!

بقیہ ص: ۲۷ کا

کہ اس وقت زمانہ بہت آگے نکل چکا ہوتا ہے اور سوائے پچھتانے کہ اور کچھ باقی نہیں رہتا، اس لئے ضرورت ہے کہ نکاح وطلاق کے مسائل کو ہمارے اسکولی نصاب کا حصہ بنا نا چاہئے اور ہر طالب علم کو شعور کی عمر میں ضرور پڑھانا چاہئے اس لئے کہ جلسے جلوس سے لوگوں میں کسی حد تک بیداری تو پیدا ہوسکتی ہے، لیکن مکمل واقفیت نہیں ہوسکتی ہے ہم تو مسجدوں میں دیکھتے ہیں نماز کا صحیح طریقہ بتانے کے بعد اسی مسجد میں اسی وقت بتائے ہوئے طریقے کے خلاف لوگ نماز پڑھتے ہیں اس لئے کہ محض سننے سے عملی مشق نہیں ہو پاتی ہے اس کے لئے علیحدہ تربیت ضروری ہے، اس کے بعد بھی یہ مسئلہ ان لوگوں کے حق میں باقی رہ جائے گا جو اسکول اور مدرسہ کہیں بھی تعلیم کے لئے نہیں پہنچ پاتے ہیں۔

محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد یونس جون پوریؒ

۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۷ء ـــــــــ ۱۴۳۸ھ/ ۲۰۱۷ء

مولانا نور عالم خلیل امینی

چیف ایڈیٹر ''الداعی'' عربی واستاذ ادب عربی دارالعلوم دیوبند

سہ شنبہ ۱۶/شوال ۱۴۳۸ھ = ۱۱/ جولائی ۲۰۱۷ء کی صبح کو جیسے ہی یہ خبر عام ہوئی کہ برِّ صغیر کے محدثِ فرید حضرت مولانا محمد یونس جون پوری نمازِ فجر کے بعد اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں، ہر شخص غم والم کی تصویر بن گیا۔ تقریباً سارے علما وطلبہ، دینی حلقے کے لوگوں؛ بل کہ عام مسلمانوں کا رخ مرحوم کی آخری دیداور تجہیز وتکفین ونماز جنازہ وتدفین میں شرکت کی سعادت کے حصول کے لیے ، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کی طرف ہو گیا اور دیکھتے دیکھتے نمازِ عصر تک ـــــــ جس کے بعد جنازے کی نماز ادا کیے جانے کا اعلان کیا جا چکا تھا ـــــــ محتاط اندازے کے مطابق دو ڈھائی لاکھ کا مجمع اکٹھا ہو گیا، جو غالباً سہارن پور کی تاریخ میں پہلی بار کسی علمی و دینی عظیم و یکتا شخصیت کی موت پر ملک کے کونے کونے سے سیلِ بے پناہ کی طرح اُمڈ آیا تھا۔

حضرت مولانا جون پوریؒ نوعمری ہی سے طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا رہے، مظاہرِ علوم میں طالب علمی کے زمانے میں شدید قسم کے بخار کا شکار رہے، حتیٰ کہ بہت نحیف ہو گئے اور خون کی قے آنے لگی۔ اساتذہ بالخصوص مہاجر مدنی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ (۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء ــ ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء) نے اپنے وطن چلے جانے کا مشورہ دیا؛ تا کہ صحیح طور پر دوا وعلاج ہو سکے؛ لیکن اُنھوں نے فوری اور وقتی تعلیمی انقطاع کو بھی گوارا نہیں کیا اور اساتذہ سے عرض کیا کہ

> ''حضرت! اگر مرنا ہے تو یہیں (مدرسے میں) مرجاؤں گا، جو بات کان میں پڑے گی، وہ دل میں اتر ہی جائے گی''

(الیواقیت الغالیۃ فی تحقیق وتخریج الأحادیث العالیۃ، ص ۳۰، ط ۲ ۱۴۳۹ھ: ۲۰۰۹ء، دہلی)

گویا وہ زبانِ حال سے کہہ رہے تھے:

باقی نہ رہے ساکھ آدا دشتِ جنوں کی
دل میں اگر اندیشۂ انجام ہی آئے
(آداجعفری)

تدریسی دورانیے میں بھی، مطالعے کی کثرت، شب بیداری، خورونوش کے سلسلے میں بے اعتنائی ولاپرواہی اور بالعموم بے آرامی کی وجہ سے بیماریوں کا تسلسل رہا۔ علاج معالجے سے کبھی کمی آجاتی اور کبھی مرض میں شدت پیدا ہوجاتی۔ اُن پر سحر کا بھی اثر تھا، جس کی پیچیدگیوں اور اثرات کا اکثر اظہار کرتے رہتے تھے۔ آخری چھ سات سالوں کے دوران تو کئی مرتبہ اتنے بیمار ہوے کہ لوگوں کو اُن کی زندگی کے حوالے سے مایوسی سی ہوگئی۔ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ = اکتوبر ۲۰۱۵ء میں حج کے سفر کے دوران مدینۂ منورہ میں گردے نے کام کرنا چھوڑ دیا، وہاں زیرِ علاج رہے، روزانہ ڈیالیسس ہوا کرتا تھا؛ لیکن افاقہ نہ ہوا۔ اُن کے تلامذہ ومحبین اُنھیں ممبئی لے آئے، وہاں ایک ہسپتال میں بہت توجہ اور نگہ داشت والے یونٹ میں علاج ہوا، ساتھ ہی پوری دنیا کے دینی حلقے خلوص اور دل سوزی کے ساتھ شب وروز اُن کی صحت یابی کے لیے دعا گو رہے، جس کی برکت سے صرف ایک ہی عشرے میں الحمدللہ اُن کے گردے نے کام کرنا شروع کردیا، ڈیالیسس کی ضرورت بھی نہیں رہی۔ کچھ دنوں بعد وہ مکمل صحت وعافیت کے ساتھ سہارن پور آگئے۔ یہ راقم جمعرات ۱۰/صفر ۱۴۳۶ھ = ۴/دسمبر ۲۰۱۴ء کو اُن کی مزاج پرسی کے لیے حاضرِ خدمت ہوا تو خوشی ہوئی کہ وہ خاصے نشیط اور تازہ دم تھے، اُن پر صرف اضمحلال اور کم زوری کا اثر تھا۔ ہم چند حضرات کے ساتھ اُن کے حُجرے میں پہنچے تو وہ کتابوں سے بھری پری الماریوں کے بیچ قبلہ کی طرف رُخ کرکے لیٹے ہوے تھے اور دائیں ہاتھ پر اپنے سر کو ٹیکے ہوئے تھے، اُنھوں نے اسی ہاتھ کو بڑھایا، راقم نے اُسی میں ہاتھ ڈال کر دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ پھر آگے یہ راقم اور اُس کے پیچھے دیگر حضرات باادب بیٹھ گئے۔ حضرت مولاناؒ نے بیٹھتے ہی راقم سے استفسار فرمایا:

''دارالعلوم دیوبند میں آپ کیا کرتے ہیں؟''

راقم نے عرض کیا کہ وہ عربی زبان وادب پڑھاتا ہے اور وہاں سے شائع ہونے والے ماہ وار عربی رسالے کی ادارت کرتا ہے۔ یہ سن کر حضرت مولاناؒ نے فرمایا :

''عربی زبان پڑھانے سے یہ نیت کرنی چاہیے کہ یہ طلبہ عربی پڑھیں گے اور اُس کو سمجھیں گے تو اس کے ذریعے قرآنِ پاک اور حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھیں گے''

مزید فرمایا:

''اِس کے علاوہ کوئی اور نیت بے سود ہے، بس یہی نیت اصل اور جامع ہے''

مزید فرمایا:

''میں جب تدریس سے وابستہ ہوا تو مجھے پڑھانے کو جو کچھ ملا، اُس میں مقاماتِ حریری بھی تھی، میرے درسی ساتھی مولانا عاقل کو اُصول الشاسی ملی، میں نے سوچا کہ اُس کو تو صحیح کتاب ملی؛ کیوں کہ فقہ، اُصولِ فقہ جو اصل علوم میں سے ہیں، اُس فن کی کتاب مل گئی؛ لیکن مجھ کو تو سَمْت سے ہٹی ہوئی کتاب ملی ہے، پھر میں نے سوچا کہ نہیں، یہ کتاب بھی ٹھیک ہے؛ کیوں کہ طلبہ اِس سے عربی زبان کو سمجھیں گے، عربی کے الفاظ وتعبیرات سے واقف ہوں گے، تو اُس کے ذریعے قرآن وحدیث کو سمجھیں گے، تو اُنھیں بھی ثواب ملے گا اور مجھے بھی''

اِسی دوران مدینۂ منورہ میں قیام وعلاج کے سلسلے کی کچھ باتیں ذکر فرمائیں، پھر ارشاد فرمایا:

''بہت سے لوگ طالب علمی کی زندگی میں اور مدرسی کی زندگی میں بھی بہت صاف ستھرے رہتے ہیں، مجھ سے یہ اس لیے نہ ہوسکا کہ میں کتابوں میں ہر وقت لگا رہتا تھا، کتابوں کی گرد وغبار ہمیشہ میرے دامن کو آلودہ رکھتی تھی اور تیلی کا کپڑا ہی میرا کپڑا ہوتا تھا۔ بعد میں جب واقعات پڑھے تو خوشی ہوئی کہ محدثین کے کپڑے روشنائی سے آلودہ رہتے تھے؛ کیوں کہ ہمہ وقت لکھنے لکھانے کی وجہ سے، اُن کے لیے روشنائی کے داغ سے مفر نہ تھا''

(راقم کی ذاتی ڈائری محررہ بہ روز جمعہ ۱۱ : /صفر ۱۴۳۶ھ مطابق ۵ / دسمبر ۲۰۱۴ء)

حضرت مولاناؒ سے رخصت ہوکر ہم لوگ زیریں منزل میں مہمان خانے میں آ گئے، جہاں مظاہرِ علوم کے امین عام حضرت مولانا سید محمد شاہد مدظلہ انتظار فرما رہے تھے، اُن کے ساتھ چائے وائے

لی گئی۔ اُنھوں نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب کی اب کی بار صحت یابی محض خدائے کریم کا فضلِ خاص اور ہزاروں نیک لوگوں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے؛ ورنہ اُن کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی، ہم لوگ تو بہت مایوس ہو گئے تھے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں دوبارہ زندگی دی ہے۔

حضرت مولاناؒ کی وفات ہوئی تو وہ بہ ظاہر کسی ایسی بیماری میں مبتلا نہ تھے جس سے لوگوں کو عمومًا اندازہ ہوجاتا ہے کہ اب اُن کا شاید وقتِ آخر آ چکا ہے۔ دوشنبہ – سہ شنبہ ۱۵– ۱۶/شوال=۱۰– ۱۱/جولائی کی شب میں مغرب کے وقت سے اُنھوں نے قدرے اضمحلال محسوس کیا؛ اس لیے رات کا کھانا بھی نہیں لے سکے، کم زوری کے شدید اِحساس کے دوران بے ہوشی سی طاری ہوئی پھر قدرے اِفاقہ ہو گیا، اُن کی خدمت میں اُس وقت بھی حسبِ معمول چند طلبہ تھے، جن میں مرض کی نوعیت اور اُس کی شدت کا اِدراک کرنے کی صلاحیت نہ تھی، نہ وہ بروقت کسی مناسب طبیب یا ڈاکٹر کو بلا سکے، اسی کم زوری اور بے ہوشی کے ساتھ رات گزری، نمازِ فجر کے لیے طلبہ نے وضو کرایا، دوسری رکعت میں سجدے کے لیے گئے تو نیم بے ہوشی اور کم زوری کی وجہ سے سر نہیں اٹھا سکے، خدام نے اسی حالت میں لٹا دیا اور اسی کیفیت میں آپ نے جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔

ایک سورج تھا کہ تاروں کے گھرانے سے اٹھا
آنکھ حیران ہے کیا شخص زمانے سے اٹھا

ذمے داروں نے مزید اطمینان کے لیے شہر کے ''میڈی گرام'' ہسپتال لے جانا مناسب سمجھا، جہاں ڈاکٹروں نے دیکھتے ہی بتا دیا کہ اُن کی وفات ہو چکی ہے۔ اُسی دن بعد نمازِ عصر اُن کی نمازِ جنازہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قُدِّس سِرُّہ کے صاحب زادۂ گرامی پیر جی حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی دامت برکاتہم نے پڑھائی اور اس گنجینۂ علم وفضل کو علما وصلحا کے ہزاروں کے برگزیدہ مجمع نے باچشمِ نم وبادلِ پُرغم اور اَن مٹ یادوں کے ساتھ کمال شاہ قبرستان میں قبیلِ مغرب سپردِ خاک کر دیا۔ غم کا سارا ماحول اُنھیں مٹی دینے والوں سے اِن لفظوں میں مخاطب تھا:

جسم تو جسم ہے، ایک دن خاک میں مل جاتا ہے　　تم بہ ہر حال کتابوں میں پڑھو گے اِن کو

لیکن مرحوم کے جیسے عظیم لوگ صرف کاغذ کی کتابوں میں ہی نہیں پڑھے جاتے؛ بل کہ ہزاروں لاکھوں لوگ اُنھیں کتابِ دل میں بھی پڑھتے رہتے ہیں اور ہر دل میں اُن کی یادوں کی شمع ہمیشہ روشن رہتی ہے؛ کیوں کہ ایسے چیدہ لوگ مدت کے بعد، اور بے پناہ دعاؤں کے نتیجے میں خدائے کریم کی قدرت سے معرضِ وجود میں آتے ہیں:

مدت کے بعد ہوتے ہیں، پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے، جن کے نشاں کبھی

مشہور شاعر سیمابؔ اکبر آبادی (مولانا عاشق حسین تلمیذ غالبؔ ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۲ء ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء) نے تو اپنے ایک شعر میں کہا تھا کہ انسان مرتے ہی افسانہ بن جاتا ہے اور فراموشی کی نذر ہو جاتا ہے:

کہانی ہے تو اِتنی ہے فریبِ خوابِ ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ بن جائے

بالعموم تو ایسا ہی ہوتا ہے؛ لیکن مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ جیسے منتخبِ روزگار علمائے صالحین کبھی فراموش نہیں ہوتے؛ بل کہ خانۂ خیال اور دیدۂ ودل میں اِس طرح بسے رہتے ہیں جیسے گلاب کے پھولوں کی پتیوں میں بادِ سحر گاہی کا نَم۔ وہ جب تک زندہ رہتے ہیں تو اپنی شخصیت کے مخصوص سانچے میں انتہائی جاذبِ نظر پھولوں کی خوش رنگ قَبَا ہوتے ہیں اور موت کے ہاتھوں جب اُن کے وجود کے تار بکھرتے ہیں تو وہ خوش بو کی طرح پھیل جاتے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک کی زبانِ حال پر گویا شاعر کا یہ شعر ہوتا ہے:

سمٹا تو بنا پھولوں کی خوش رنگ قَبَا میں
بکھرا ہوں تو خوش بو کی طرح پھیل گیا ہوں

❁ ❁ ❁

صوبہ اتر پردیش کے ایک مشرقی ضلع ''جون پور'' کے ایک معمولی سے گاؤں ''چوکیہ گورینی'' میں دوشنبہ ۲۵/ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲/ اکتوبر ۱۹۳۷ء کی صبح کو جہانِ آب وگل میں آنے والے بچے محمد یونس بن بشیر احمد کے متعلق کوئی بڑے سے بڑا ذہین وروشن دماغ قِیَافَہ شناس یہ اندازہ نہیں

کرسکتا تھا کہ وہ ایک دن علم وفضل میں یگانۂ روزگار بننے والا ہے؛ کیوں کہ اُن کے بچپن کا ماحول خاصا نِراس اور مایوسانہ تھا، اُن کے مختصر سے گاؤں میں جو نہ صرف وسائلِ زندگانی سے عاری تھا؛ بل کہ پڑھنے لکھنے کا کوئی ماحول نہ تھا؛ حتیٰ کہ کوئی دینی مکتب بھی نہ تھا جو گزشتہ صدی ہجری تک برصغیر ہندو پاک میں بنیادی اسلامی تعلیم وتربیت کا واحد وسیلہ تھا؛ اِسی لیے نہ صرف اُن کے گاؤں میں؛ بل کہ پورے علاقے میں عام طور پر جہالت تھی؛ لیکن علاقے کے مسلمان بالعموم صحیح العقیدہ دیوبندی مسلمان تھے۔ وہ پانچ سال دس ماہ کے تھے کہ مادرِ مہربان کا سایۂ ہُما سر سے اُٹھ گیا اور نانی جان نے پرورش وپرداخت کی۔ اپنے گاؤں میں پڑھائی لکھائی کا کوئی نظم نہ تھا، چھ سات سال کی عمر تھی کہ نانی جان چھوٹے ماموں کو کسی قریب کے گاؤں کے مکتب میں جانے کے لیے مار رہی تھیں کہ اُنھوں نے بھی اپنے ماموں کے ساتھ مکتب جانے کے لیے اِصرار کیا اور اپنے گاؤں سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع اس مکتب تک کبھی پیادہ پا اور کبھی ماموں کے کندھے پر سوار ہوکر پہنچے۔ بچپن کی وجہ سے صرف کھیل کود کر مکتب سے آجاتے۔ پھر کسی اور مکتب میں آنا جانا شروع کیا، وہاں قاعدۂ بغدادی تھوڑی بہت پڑھی، ماموں جان نے پڑھنا چھوڑ دیا تو بچے محمد یونس کا پڑھنا بھی موقوف ہوگیا۔ کچھ دنوں بعد اُن کے گاؤں میں سرکاری پرائمری اسکول قائم ہوگیا، تو اس میں پڑھنے کے لیے جانے لگے، یہاں درجہ دوم تک پڑھا۔ درجہ سوم کے لیے پڑوس کے گاؤں ''مانی کلاں'' کے پرائمری اسکول میں داخلہ لیا، درجہ سوم کا امتحان پاس کرنے کے بعد والدِ محترم نے یہ کہہ کر اسکول کی تعلیم چھڑا دی کہ انگریزی کا دور نہیں اور ہندی میں پڑھانا نہیں چاہتا۔ اِسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ اپنے طور پر ہندی کی ریڈنگ بک کا پہلا حصہ پڑھ رہے تھے، جس میں لکھا ہوا تھا کہ ''طوطا رام رام کرتا ہے'' والدمحترم نے جب اِس عبارت کو پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا: ''کتاب رکھ دو، بہت پڑھ لیا''۔

اِس کے بعد تقریباً دو سال تک تعلیمی سلسلہ بالکل منقطع رہا۔ تقریباً تیرہ سال کی عمر میں قصبۂ ''مانی کلاں'' کے مدرسہ ''ضیاء العلوم'' میں داخل ہوئے، جہاں اردو کے علاوہ ابتدائی فارسی سے سکندرنامہ تک اور ابتدائی عربی سے مختصر المعانی، مقاماتِ حریری، شرح وقایہ اور نورالانوار تک کتابیں پڑھیں۔

اس مدرسے کے اساتذہ میں دو اساتذہ سے اکثر کتابیں پڑھیں۔ حضرت مولانا اپنی خود

نوشت میں تحریر فرماتے ہیں :

''اکثر کتابیں استاذی مولانا ضیاء الحق صاحب سے اور شرحِ جامی بحث اسم حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے (پڑھی)؛ مگر کثرتِ امراض کی وجہ سے بیچ میں طویل فترات واقع ہوتی رہیں؛ اس لیے تکمیل کافی مُؤخر ہوگئی۔ پھر یہ بھی پیش آیا کہ ہماری جماعت ٹوٹ گئی، ہم نے اوّلاً شرح جامی، شرح وِقایہ، نورالانوار مولانا ضیاء الحق صاحب سے پڑھی تھیں ؛ مگر جماعت نہ ہونے کی وجہ سے، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نے اگلے سال پھر اِنھی کتابوں میں داخل کردیا اور خود پڑھایا۔''(الیواقیت الغالیہ، ص۲۹)۔

اِن دونوں اساتذہ نے ہی اصلاً حضرت مولاناؒ کی علمی استعداد کی بنیاد گزاری کی، بالخصوص مولانا ضیاء الحق فیض آبادی مظاہریؒ نے، جو حضرت مولاناؒ کے لیے فرشتۂ رحمت ثابت ہوے کہ اپنی محنت اور وقت کا خاصا حصہ بڑی لگن اور دُھن کے ساتھ، اُن کی تعلیم وتربیت پر صرف کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدائے حکیم وقادر نے اِس کام کے لیے مُسَخَّر کردیا تھا کہ وہ اپنے اس شاگرد کی استعداد سازی میں مُنْہمِکْ ہوجائیں۔ إِذَا أَرَادَ اللهُ شَيئًا هَيَّأَ أَسبَابَهُ کے مطابق اللہ تعالی نے حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کے ایک بڑا عالم ومرکزِ نگاہ محدث بننے کی راہ اِسی چھوٹے سے مدرسے سے نکال دی۔

کائنات کی ہر چیز خدا کے حکم کے تابع ہے، وہ کسی بھی چیز یا شخص سے جب چاہے، جس وقت چاہے، جہاں چاہے، جس طرح چاہے؛ کام لے لیتا ہے۔ علمی استعداد کی مضبوطی واستحکام کی اساس گزاری ابتدائی درجات کی کتابوں کے ذریعے ہی کی جاتی ہے، اگر ان کتابوں پر کماحَقُّہٗ عبور حاصل نہ ہوسکے تو طالب علم کی علمی پختگی کے حوالے سے کوئی ضمانت نہیں لی جاسکتی۔ چہارم، پنجم عربی تک ہی طالب علم کے کامل الاستعداد بننے یا ناقص الاستعداد رہ جانے کا بہ خوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ جیسے کسی عمارت کی بنیاد کی کم زوری اور کجی، بالائی ساری منزلوں کے کم زور اور کج ہوجانے کا یقینی سبب ہوتی ہے، اُسی طرح ابتدائی درجات کی کم زوریاں انتہائی تعلیمی درجات تک کم زور و بے ثمر رہ جانے کا منطقی ذریعہ ہوتی ہے۔

خشتِ اول چوں نہد معمار کج　　تا ثریا می رود دیوار کج

اِسی لیے حضرت مولاناؒ کی اِحسان شناس زبان، دورہ حدیث کے درجے میں دورانِ تدریس بھی، اکثر اُن دونوں حضرات بالخصوص مولانا ضیاء الحق فیض آبادی مظاہریؒ کا، بہت جذباتی لہجے میں تذکرہ کرتی رہتی تھی۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب فیض آبادی ثم الجون پوریؒ (۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء ــــــــ ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء) تو ایک صاحب نسبت اور نام ور بزرگ کی حیثیت سے بہت جانے اور مانے گئے، وہ ضلع فیض آباد کے گاؤں ''دیوریا'' کے رہنے والے تھے اُنھوں نے ''گورینی''، ضلع جون پور میں ایک بڑا مدرسہ قائم کیا جو ہنوز محوِ فیض رسانی ہے۔ وہ دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوری کے بھی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء سے تاحیات رکن رہے۔ وہ مظاہر علوم سہارن پور اور دارالعلوم ندوۃ العلما کی مجلس انتظامی کے بھی رکن تھے؛ لیکن مولانا ضیاء الحق فیض آبادی مظاہریؒ (متوفی ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء) کے متعلق صرف اتنا معلوم ہوسکا کہ وہ ضلع فیض آباد (حالیہ ضلع ''امبیڈکرنگر'') کے گاؤں ''برہی عادل پور'' کے باسی، مظاہر علوم سہارن کے تعلیم یافتہ، ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء میں وہاں سے فارغ شدہ، مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں کے مدرس اور محدثِ فرید حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوریؒ کے استاذ اور اُن کی استعدادِ علمی کے اولین بنیاد گزار تھے۔ وہ صرف ۶۵ سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوگئے؛ لیکن اُن کا یہی ایک کارنامہ کہ اُنھوں نے حضرت مولانا جون پوریؒ جیسے عالم ومحدث کی تخلیق کی راہ پیدا کی، اُن کے نام کو دوام دینے اور نامۂ اعمال کو بے انتہا باوزن بنانے کے لیے کافی ہے۔ قابلِ ذکر ہے کہ مولانا ضیاء الحق حضرت مولانا عبدالحلیمؒ کے ابتدائی کتابوں کے شاگردوں میں تھے۔

حضرت مولانا محمد یونسؒ اپنے استاذ مولانا عبدالحلیم صاحب مظاہریؒ کے مشورے سے اعلی تعلیم کے لیے، دوشنبہ ۱۵/شوال ۱۳۷۷ھ مطابق ۵/مئی ۱۹۵۸ء کو مظاہرِ علوم میں داخل ہوے۔ یہاں پہلے سال (۱۳۷۷ - ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۸ - ۱۹۵۹ء) جلالین، ہدایہ اولین، میبذی اور سراجی وغیرہ پڑھی۔ دوسرے سال (۱۳۷۸- ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۵۹ - ۱۹۶۰) بیضاوی، ہدایہ ثالث، مقدمہ مشکاۃ، شرح نخبۃ الفکر، مدارک، سلم العلوم اور میر قطبی پڑھیں۔ تیسرے سال (۱۳۷۹ - ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۰ - ۱۹۶۱ء) دورۂ حدیث شریف مکمل کیا، جس میں ساری کتابوں میں امتیازی نمبرات حاصل کیے اور مظاہر علوم کے

طلبہ میں سب سے زیادہ نمبرات حاصل کر کے فرسٹ ڈویژن اور فرسٹ پوزیشن حاصل کرنے کا ریکارڈ قائم کیا۔ اساتذۂ گرامی نے بعض کتابوں میں مقررہ نمبرات سے زائد نمبرات دیے۔ دورۂ حدیث کے بعد بھی مزید علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں، جیسے: ہدایہ رابع، صدرا، شمس بازغہ، اقلیدس، خلاصۃ الحساب اور درمختار۔

اُنھوں نے دورۂ حدیث کے سال بخاری شریف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی قُدِّس سِرُّہٗ سے، ابوداود شریف وطحاوی شریف ناظم مظاہر علوم حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ رامپوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء - ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء) سے، مسلم شریف وموطا امام محمد حضرت مولانا محمد منظور احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء) سے، ترمذی ونسائی وموطا امام مالک وابن ماجہ وشمائل ترمذی حضرت مولانا امیر احمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء - ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۵ء) سے پڑھیں۔

❁ ❁ ❁

ہر نیک عمل صدقہ ہے

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”ہر مسلمان آدمی کے لیے صدقہ لازم ہے، صحابہ نے عرض کیا اگر وہ کچھ نہ پائے؟ فرمایا: اپنے ہاتھوں سے کام لے، اپنے نفس کو نفع پہنچائے اور صدقہ کرے، صحابہ نے عرض کیا، اگر اس کی طاقت نہ رکھے یا ایسا نہ کر سکے تو؟ آپ نے ارشاد فرمایا ”کسی ضرورت مند غمگین شخص کی اعانت کرے“ صحابہ نے عرض کیا اگر وہ ایسا بھی نہ کر سکے تو؟ آپ نے فرمایا: ”نیکی کا حکم دے“ پھر پوچھا گیا کہ اگر وہ ایسا بھی نہ کر سکے تو؟ یہ سن کر آپ نے فرمایا وہ خود برائی سے رکا رہے، یہی اس کے لیے صدقہ ہے“۔ (بخاری ومسلم)

تعارف وتبصرہ

مولانا قاری صلاح الدین صاحب
استاذ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

نام کتاب:	شآبیب الرحمة علی الشاطبیة
شارح:	مولانا قاری ہارون رشید پالنپوری (بھاگلوی)
صفحات:	۳۰۷ سنِ طباعت ۱۴۳۸ھ/ ۲۰۱۷ء
قیمت:	150/
ناشر:	الامین کتابستان دیوبند

حمداً لمن نزل الفرقان علی عبده ولم یجعل له عوجاً والصلٰوة والسلام علی أفصح رسله الذی ادی القرآن کما انزل ولم ینطق عن الهوی اما بعد

فن قراءت میں علامہ عثمان ابوعمرو دانی علیہ الرحمہ کی شہرۂ آفاق منثور کتاب ''التیسیر'' سے ماخوذ حضرت علامہ القاسم بن فیرہ اندلسی علیہ الرحمہ کی لکھی ہوئی ''حرز الامانی ووجہ التہانی المعروف بہ شاطبیہ'' ہے، جس میں گیارہ سوتہتر اشعار ہیں اور ہر شعر حرف لا پر ختم ہے اسی لئے اس کو قصیدہ لامیہ بھی کہتے ہیں اس میں علامہ نے فن قرأت کے اصول کی وضاحت کے ساتھ فصاحت وبلاغت ادب وشاعری کے وہ جوہر دکھائے ہیں جن کی نظیر ملنی مشکل ہے مقدمہ میں وہ قیمتی نصیحتیں فرمائی ہیں کہ اگر ان پر عمل کرلیا جائے تو دونوں جہان کی سعادتیں حاصل ہوں، خطبہ سے فراغت کے بعد صرف قراءت کے اصول پر ۴۴۴/ اشعار مرتب فرمائے ہیں، یہ کتاب بیشتر مدارس میں داخل درس ہے۔

مدارس کے طلبہ اس کتاب کو مشکل ترین تصور کرتے ہیں کیونکہ اس میں الفاظ نہایت فصیح وبلیغ استعمال کئے گئے ہیں استعارات ومجازات سے بھی کام لیا گیا ہے، نیز بہت سے مضامین کو انتہائی مختصر انداز میں بیان فرمایا ہے۔

اسی لئے اشعار میں بیان کردہ اصولوں کو سمجھنے کے لئے طلبۂ فن کو ایک نہایت جامع مختصر شرح کی ضرورت تھی، اسی ضرورت کے پیش نظر حضرت مولانا قاری ہارون رشید صاحب پالن پوری مدظلہ (جوکہ دارالعلوم جامعہ نذیریہ کاکوسی ضلع پٹن شمالی گجرات میں صدرالقراء ہیں) نے ''شأبیب الرحمة'' نامی جامع اور مدلل شرح لکھ کر علمی دنیا میں ایک بیش قیمت تحفے کا اضافہ فرمایا ہے۔

شرح مذکور کی چند خصوصیات:

(۱) دور حاضر کے امام الفن حضرت اقدس مولانا مقری محمد اسمعیل صاحب اطال اللہ عمرہ صدر القراء مدرسہ ریاض العلوم گوریني ضلع جونپور یوپی نے حرفاً حرفاً من اولہ الی آخرہ (بالاستیعاب) بنظر عمیق دیکھا ہے، جس سے شرح کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

(۲) اشعار واصول کی تشریح کرتے ہوئے معتبر ومقبول کتابوں کا حوالہ (مثلاً ''عنایات رحمانی''، ''روح المعانی''، ''شرح سبعہ قرآت'' اور ''الوافی'' وغیرہ) مذکور ہے جس سے شرح مدلل ہوگئی ہے۔

(۳) ترجمہ وتشریح سے پہلے اشعار میں مذکور مشکل الفاظ کی لغوی تحقیق لکھنے کی وجہ سے ترجمہ سمجھنا آسان ہوگیا ہے، نیز اشعار کی تشریح کرتے ہوئے جابجا ممکنہ سوال پھر اسکا جواب پیش کیا گیا ہے جس سے طلبہ واہل فن کے دلوں میں مقبولیت پیدا ہوگئی ہے۔

(۴) شارح موصوف نے ۴۴۴/اشعار جو اصول پر مشتمل ہیں صرف ان کی تشریح پر اکتفاء نہیں فرمایا ہے بلکہ اجراء میں آسانی نیز اصول قراءت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے فرشی اختلافات کی تشریح کرتے ہوئے نمونہ کے طور پر سورۃ البقرہ کو پیش فرمایا ہے جس سے علامہ شاطبی علیہ الرحمہ کے بیان کردہ ضابطہ کے مطابق آیات قرآنی کا اجراء طلبہ کے لئے آسان تر ہوگیا ہے جو کہ اصل چیز ہے۔

نوٹ: شارح موصوف کی لکھی ہوئی فن تجوید میں درسی وغیر درسی مختلف کتابیں ہیں

تقریباً سبھی کتابیں مقبول ہیں جن میں خاص طور پر قابل ذکر المواہب الرحمانیہ (شرح المقدمۃ الجزریہ) نیز ضیاء البرہان (شرح خلاصۃ البیان) ہیں آخرالذکر جس میں عن الحفص کے اختلافی پہلو پر مکمل وضاحت کی وجہ سے یہ شرح طلبہ و اساتذہ کے درمیان نہایت مقبول ہے۔

اسی طرح ذات الٰہی سے امید ہے کہ موصوف کی لکھی ہوئی شاطبیہ کی یہ شرح **شأبیب الرحمۃ** بھی اہل فن کی نظر میں مقبول ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

آخر میں حضرت شارح مدظلہ کی خدمت میں خصوصاً، نیز کتبِ درسیہ کے متون پر اردو حواشی لکھنے والے حضرات کی خدمت میں عموماً نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ مخلصانہ شکوہ پیش کرنے کی مجبوراً جرأت کر رہا ہوں، متن فوائد مکیہ، متن مقدمۃ الجزریہ، متن خلاصۃ البیان اور متن شاطبیہ یہ وہ کتابیں ہیں جو برصغیر کے بیشتر مدارس میں داخل درس ہیں، اس فن کے ماہرین حضرات نے اپنے اپنے تدریسی تجربات کی روشنی میں اجمالاً وتفصیلاً شروحات مرتب فرما کر تشنگانِ علوم کی رہبری فرمائی ہے، نفس عبارات کو سمجھنے کے لئے اس قسم کی شروحات کافی وشافی ہیں اس کے باوجود ان متون پر عربی حاشیہ کے بجائے اردو حاشیہ لکھنا ضرورت سے تجاوز کے مترادف سمجھتا ہوں، نیز اس کی وجہ سے دورانِ سبق اکثر دیکھا گیا ہے کہ طلبہ متوجہ ہوکر سبق سننے کے بجائے اردو حاشیہ کا مطالعہ کرنے لگتے ہیں جس سے بڑی کلفت ہوتی ہے، اس لئے احقر نے اس سلسلے میں حضرت قاری جمشید صاحب صدر القراء دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں (جو کئی کتابوں کے شارح ومحشی ہیں) اردو حاشیہ کے بغیر خالص درسی متون کو چھپوانے کی گزارش کی تو حضرت قاری صاحب نے اولاً متن الشاطبیہ کو اشعار کے نمبرات کے ساتھ چھپوادیا ہے اور خلاصۃ البیان ومقدمۃ الجزریہ کو بغیر اردو حاشیہ کے چھپوانے کی پوری تیاری فرمارہے ہیں، نیز فوائد مکیہ کو بھی اردو حاشیہ کے بغیر چھپوانے کا وعدہ فرمالیا ہے، اللہ تعالیٰ آسان فرمائے اور لکھنے و پڑھنے کو قبول فرمائیں۔ آمین